کے درمیان تقسیم کرین، کہ "چتر جیون" اور "رنگیلا...." جیسے زہر آلود رسالون کے یے تریاق ثابت ہو۔
حجم ۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۴؍ لکھائی چھپائی اور کاغذ تمام رسالون کا عمدہ ہے، اور یہ سب رسالے
ہند بک ایجنسی نمبر ۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ سے ملین گے،

طبیبہ، جناب علی احمد صاحب زاہد جبل پوری کی کتاب "طبیبہ حصّہ اول" پر معارف ماہ اگست
۲۶ءمین ہم تفصیلی تبصرہ کر چکے ہین، اب اس کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے، جسکو جناب مؤلف
نے موضوع کی مناسبت سے "ہمدردِ اطفال" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس حصہ مین بچون کی پیدائش،
ان کے نہلانے اور دودھ پلانے کے طریقے بیان کرکے ان کی پرورش و پرداخت کے متعلق طبی
نقطۂ نظر سے تفصیلی ہدایتین درج کیگئی ہین، پھر بچون کو کمسنی مین جو بیماریان بالعموم ہوتی رہتی ہین، انکی
علامتین بتا کر کتاب کے حصۂ اول کے طرز پر نسخے اور طریقۂ علاج بتائے گئے ہین، ضخامت ۱۰۴ صفحے، لکھائی
چھپائی اچھی اور سرورق خوشنما ہے، قیمت ۸؍ پتہ:۔ ایس لے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور،

مرقعِ عبرت، یہ رسالہ بھی جناب زاہد جبل پوری کا مرتب کیا ہوا ہے، جس مین انھون نے اردو
کے دورِ حاضر کے مختلف شعراء کی بعض ایسی نظمین یکجا کی ہین، جنمین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حجم
۴۸ صفحے قیمت ؟ یہ رسالہ بھی اسی پتہ پر دستیاب ہوگا،

رسائلِ جاوید، جناب جاوید نے بچون کے یے چند تاریخی واقعات کا یہ سٹ شائع کیا ہے، جسمین سے ایک "زنجیرِ عدل"
ہے جسمین جہانگیر کے عدل و انصاف کے چند واقعات، دوسرے رسالہ "ذہانت" مین جعفر برمکی اور ابویعقوب نجومی کے بعض قصے،
تیسرے رسالہ "پیامِ رسول" مین بارگاہِ نبوت اور دربارِ ہرقل کی خط و کتابت اور چوتھے رسالہ "سخاوت" مین حاتم طائی
کی داستان بیان کی ہے، بچون کی مناسبت سے سلاست، روانی، اور طرزِ ادا کی صفائی موجود ہے، اور امید ہے کہ بچے
ان کو دلچسپی سے پڑھین گے، تمام رسائل ۲۴، ۲۴ صفحون پر ختم ہوتے ہین، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، ان مین
سے ہر ایک کی قیمت ۳؍ پتہ:۔ جہانگیر بک کلب اچابک سواران، لاہور،

"ر"

مجلد بستم	ماہ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۷ء	عدد دوم

مضامین

شذرات

ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہون مین جامعۂ ملیہ دہلی ایک ایسی درسگاہ ہے جس نے اپنا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا قرار دیا ہے جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ ور ہون اور اپنے دل مین ملک و ملت اور قوم و مذہب کا درد رکھتے ہون، اور جو ان کی خدمت اپنا مشغلۂ زندگی بنا سکین، اور اسی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کر سکین، جامعہ کے قیام کو ابھی صرف سات برس ہوئے ہین، یہ مختصر مدت اس فیصلہ کے لیے کافی نہین کہ وہ اپنے نصب العین مین کہانتک کامیاب ہوا ہے، (یا بقول اصحاب جامعہ ہوئی ہے)،

اس مدت مین اس جامعہ کی طرف سے متعدد طلبہ کامیاب ہوکر علمی میدان مین قدم رکھ چکے ہین اور اُنھون نے عموماً قومی خدمت کے لیے یا تعلیم و تدریس یا تحریر و انشا اور اخبار نویسی کی زندگی اختیار کی ہے، سادگی، حسن خلق، اپنے وطن اور مذہب کے ساتھ محبت انھون نے اپنا ممتاز شعار قرار دیا ہے، ان کی مذہبی پابندی بھی تمام دُنیاوی درسگاہون کے طلبہ سے اچھی ہے،

اس کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسکو چند ایسے ایثار کرنے والے لائق مسلمان اساتذہ مل گئے ہین، جنھون نے نہایت خوشی سے اُس کے لیے اپنی زندگیان وقف کی ہین، اور وہ شب و روز اس کی دھن مین مصروف ہین جب تک اُن کا یہ ایثار، اخلاص اور انہماک باقی ہے، اُس کی کامیابی غیر مشکوک ہے،

جامعہ نے اتنے ہی دنون مین اپنا ایک اچھا خاصہ مشرقی و مغربی علوم کا کتبخانہ قائم کر لیا ہے، اُردو اکاڈیمی کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، علمی و سیاسی و اقتصادی مسائل کے لیے جامعہ نام ماہوار رسالہ اور تعلیم کی اشاعت کے لیے پیام تعلیم پندرہ روزہ صحیفہ جاری کیا ہے، ساتھ ہی مفید تصانیف و تراجم کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے، جسمین اُس کو روز بروز خاصی کامیابی ہو رہی ہے،

یکم اگست سے جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا ہے، اسمین طلبہ کے داخلہ اور قیام اور تعلیم کے مفصل قواعد مطبوعہ موجود ہین، اور وہ دفتر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے مل سکتے ہین، ایک طالب العلم کے لیے مختلف قسم کی فیسون کی مجموعی تعداد پندرہ روپیہ کے قریب ہے، جو نسبتہً انگریزی کالجون سے ارزان ہے، اس وقت اس کے ابتدائی، ثانوی اور انتہائی درجون مین دو سو طلبہ تعلیم پا رہے ہین، اور امسال مزید اضافہ کی توقع ہے،

اس سلسلہ مین نامناسب نہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت مین چند مخلصانہ گذارشین پیش کی جائین، ہمین یہ ڈر ہے کہ اس کی مختصر مذہبی و عربی تعلیم مین "مجتہدیت" کی شان پیدا کرنیکی نہ کوشش کی جائے، کہ اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ بڑھے جن "مسلم یونیورسٹی" کے اَن پڑھ جنون سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہین، اور اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ انکی معاشرت و سیاسیت مین "ہندویت" کا رنگ نمایان نہو، "فرنجیت" اور "ہندویت" اسلام سے مغایرت مین دونون یکسان ہین، ان مین فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے، جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اُس کے ہر استاد اور طالب العلم کے سامنے رہین،

نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلاء سے آزادی کی تحریک نہین، بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے دماغی و ذہنی استیلاء سے آزادی کی تحریک ہے، اس سے یہ مقصود نہین کہ ہم یورپ سے اُس کے

نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھین، لیکن اسکے یہ معنی بھی نہیں ہین، کہ ہم اپنے مذہبی حقائق، مشرقی علوم اور دینی
اصلاح و تجدید کا درس بھی اُسی سے حاصل کرین، اور اس کی تصدیقی سند دہر کو ہم اُن کے لیے صحت کا معیار
جانین، پیرس کے جامعی طالب العلم کے شائع شدہ خیالات اس راز کی غمازی کر رہے ہین، دیکھین ہمارا "یوسف" مصر سے
جب کنعان آتا ہے تو اہل وطن کیلئے کیا تحفہ لاتا ہے، دعا ہے کہ "برہان ہانی" اسکے "دامن خیال" کو کشمکش کے نتیجہ سے محفوظ رکھے،

جامعہ اس وقت قوم کے ارباب نظر کی نگاہون مین آزمایش اور امتحان کے دور مین ہے، ضرورت ہے کہ وہ ہر قدم
پھونک پھونک کر قدم رکھے، تاکہ دوسرے چالیس برس کے بعد مسلمانون کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑے کہ ہم پھر غلط راستہ پر چل کر
ہوے ہین اور منزل مقصود کی سمت دور ہے،

اسی کے ساتھ اس کے متعلق کچھ قوم کے بھی فرائض ہین، اُس کے ماہوار مصارف بڑی کفایت شعاری کے عالم مین بھی
اب ڈھائی تین ہزار ماہوار ہین، بظاہر اسکی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، جناب حکیم صاحب کی بڑی دوڑ دھوپ اور محنت اور
جانفشانی کے بعد بعض ریاستون سے اس کو کچھ ماہوار امدادین ملی ہین، کچھ دہلی سے مقامی اعانتون کا سامان ہوا ہے،
کچھ لوگ باہر سے کبھی کبھی کچھ بھیجدیتے ہین، کچھ فیس کی رقمین ملجاتی ہین، مگر یہ صورت حال کبتک قائم رہ سکتی ہے، اس پراگندہ
روزگاری سے پراگندہ دلی کا پیدا ہونا لازم ہے، ہماری قوم کو شکایت تھی کہ ہمارے جدید تعلیمیافتہ نوجوان ایثار نہیں
کرتے، مگر اب ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان ایثار کرنیوالون کو یہ شکایت نہو جائے کہ قوم ہماری کچھ بھی قدردانی نہیں کرتی،

اس وقت خواہ دینی ہو یا دنیاوی آزاد قومی درسگاہون کا قائم رکھنا سخت مشکل ہو رہا ہے، ملک کے طول و عرض مین
اس وقت جتنے غیر سرکاری عربی مدرسے ہین، ان مین جو چند عمومی حیثیت رکھتے ہین، اُن کی زندگی کا سہارا صرف
حیدرآباد و بھوپال کی ماہوار امدادین ہین اور اسکے بعد دہلی، بمبئی، کلکتہ اور راندھیر کے بعض مسلمان تاجرون کی

ہمتین ہین، اور اُن کے بعد زکوۃ کی رقمین اور چرم قربانی کی قیمتین ہین، ہمارے عربی مدرسون کی آمدنی کے یہ چار ذریعے
ہین، لیکن روز بروز اب یہ مشکل پیدا ہو رہی ہے، کہ لوگون کی توجہ اُن کی طرف سے ہٹتی جاتی ہے،

ایک مرکزی دینی عربی درسگاہ **دار العلوم** ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اہتمام و انتظام کا بار ہمارے سپرد بھی ہے،
خدا جانتا ہے کہ اُس کے مصارف ضروریات کے پورا کرنے کی فکر کس طرح شب و روز اس کے کارکنون پر مسلط رہتی ہے مگر
کامیابی کا کوئی ذریعہ نہیں سوجھتا، اُس کی عظیم الشان درسگاہ سالہا سال سے نامکمل پڑی ہے، جون تون کرکے ہم نے
لگاکر اس کے دار الاقامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا، پچاس طلبہ کیلئے کمرے کسی طرح تیار ہوگئے، مگر بیچ کا دار المطالعہ ہنوز ناتمام
اور اسپر بھی ایک ہندو ٹھیکہ دار کے سات ہزار کے ہم مقروض اور صرف اُس کے رحم و کرم کے تقاضے پر آج ایک سال
سے جی رہے ہین، پچھلے سال کانپور کے اجلاس مین دین حق جن صاحبون نے جو کچھ لکھا، وہ باربار کے تقاضون کے بعد بھی ہنوز ایفاء عہد کا منتظر......

یون ہون مین شکوہ سے پُر راگ سے جیسے باجا ‌‌‌‌ ‌ ‌ اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

قوم کے حساس دل صاحب کو متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر ہمارا یہی تغافل قائم رہا تو یہ عربی درسگاہین ایک ایک کرکے
حکومت کے تعلقات مین گرفتار ہوتی چلی جائینگی، بہت سی چلی گئی ہین اور کچھ جانے کو تیار ہین کہ اُن کے ارکان
کو ان کا وجود بہرحال عزیز ہے ایسی حالت مین قوم کے خدمتگذار اور دین و مذہب اور اسکے علوم کے خدام کا وجود
بھی مفقود ہو جائیگا صرف تمام ملک مین "مولوی" کے بجائے "ہیڈ مولوی" ہی "ہیڈ مولوی" نظر آئینگے، اس دردناک
منظر کا تخیل آپ کے سامنے ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہین؟

انگریزی استیلا کے بعد جہان انگریز سپاہیون نے ہندوستان کا ملک فتح کیا، وہان انگریز عالمون نے یہان کے
دماغون کو فتح کرنے کی کوشش کی، انگریزی اسکولون اور کالجون کے جال سے اگر کوئی شکار محفوظ تھا تو وہ بیچارے

عربی فارسی وغیرہ مشرقی علوم پڑھنے والے ہندوستان کے دو کثیر التعداد مسلمان صوبون مین سب سے پہلے ان کے لیے پھندے بچھائے گئے یعنی پنجاب اور بنگال مین حکومت انگریزی نے مشرقی علوم کی سرپرستی کے لیے اپنا دست شفقت پھیلایا، بنگال مین تو مدرسۂ عالیہ کا جال ایسا پھیلا کہ آج تک بنگال مرغ تہ دام ہے، پنجاب مین لاٹر صاحب کی مہربانی سے اورینٹل کالج قائم ہوکر مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سندین بٹنے لگین، اور اُن کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ آج تک پنجاب کے بڑے بڑے علما "مولوی فاضل" کا خطاب فخراً اپنے نام کے ساتھ بالالتزام لکھتے ہین،

یہ مشرقی علوم کی ایسی درسگاہین قائم ہوئین جن کا سارا نظم ونسق اور تانا بانا انگریزون کے ہاتھون یا انگریزون کے برابر مشرقی دانشیت کی علمی سند رکھنے والون کے ہاتھون مین رہا اور جہانتک ممکن ہوا دینیات کی کتابون سے اُن کو خالی رکھا اور اس طرح نظری اور عملی دونون حیثیتون سے وہان کے طلبہ کو اسلامیت سے پاک رکھکر خالص عربی علوم سکھلائے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب مین عربی جاننے والے تو بہت ہوگئے، مگر علما کم ہوگئے، پنجاب مین مذہب مین جدت پسندی کی جو بدعتین چالیس برس کے عرصہ مین جاری ہوئی ہین ہم تو ان سب کی اصل اور جڑ اسی "غیر مذہبی عربی تعلیم" کو قرار دیتے ہین،

پھر اس کے ساتھ مزید ترغیب تحریص کی شکلین پیدا کی گئین، یونیورسٹی کی سندون سے ممتاز کئے گئے، اسکولون اور کالجون مین اُن کی مدرسی کا حق مرجح تسلیم کیا گیا، رجسٹراری اور وکالت وغیرہ کا ان کو حق ملا، یونیورسٹی کے انگریزی امتحانون مین صرف انگریزی ادب مین امتحان پاس کرلینے پر دوسرے عام انگریزی طلبہ کے برابر اُن کو بی اے اور ایم اے کی ڈگریان دی جانے لگین، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب اور بنگال مین کوئی بڑی آزاد عربی درسگاہ باقی نہ رہی، اور ان استحقاقات کے مقابلہ مین وہ قائم رہ سکتی تھی، پنجاب کی اس عظیم الشان اسلامی آبادی مین جہان تقریباً ہر ضلع مین ایک انگریزی اسلامی اسکول موجود ہے پورے صوبہ مین بھی کوئی عربی کی بڑی قابل ذکر درسگاہ موجود نہین، بنگال مین جو بھی عربی مدرسہ یا مکتب ہے وہ مدرسۂ عالیہ کے پنجۂ نظام مین گرفتار ہے،

اب تک بہار اور صوبہ متحدہ جہان عربی کے بڑے بڑے مدرسے ہین اس جال سے محفوظ تھے، ان دونون صوبون مین ان مدرسون کو سرکاری قابو مین لانے کے لیے ایک ساتھ کام شروع ہوا، بہار مین مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ، ایک ذاتی حیثیت سے شروع ہوکر رفتہ رفتہ مدرسۂ عالیہ کے نظام مین پھنسکر وہ خود اس صوبہ کا ایک مستقل مرکزی نظام تعلیم ہوگیا، اور اسی کے پروانہ پر اب اس کے تمام کل پرزے حرکت مین ہین، صوبہ کے اکثر مدارس مین اس کا نصاب چل رہا ہے، اور اس صلہ مین مالی امداد اور استحقاقات سے وہ نوازے جارہے ہین جس کی علت سے اسکو ترقی ہورہی ہے اُتنی ہی سرعت سے آزاد مدارس کی کمزوری اور فنا کے دن قریب آرہے ہین، و رغنقریب اس علم و فن کی سرزمین مین بھی بہی پنجاب اور بنگال کا موسم نمودار ہونیوالا ہے، چنانچہ یہان بھی گو پہلے الہ آباد یونیورسٹی نے استحقاقات کے دانے چھینٹے، اور مشرقی امتحانات کا جال بچھایا مگر اس صوبہ کے اہل علم نے یہ ثابت کردیا کہ ع برو این دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اہل علم نے یہ ثابت کردیا کہ ع بدام ودانہ نہ گیرند مرغ دانا را،

آخر کار مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی، گورنمنٹ نے دار العلوم ندوہ کی مالی اعانت سے عربی مدرسون کی مالی امداد کی نئی روش کا آغاز کیا، اس کے بعد ان مدارس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عربی دان گورنمنٹ انسپکٹر کا انتخاب ہوا، اور اس عہدہ پر بالفعل ہمارے عزیز دوست مولوی ضیاء الحسن صاحب ندوی ایم اے ممتاز ہین انھون نے نہایت محنت سے ان مدارس کی تنظیم کی ہے، اُن کے لیے ایک نیا نصاب تجویز ہوا ہے، اور اس نئے نظام کے تحت مین بہت سے عربی مدارس آگئے ہین اور اُنھون نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کرلیا ہے، چنانچہ اب ان کے امتحانات ملا فاضل و مولوی فاضل کے کامیاب علمار کو ہیڈ مولوی بننے کا استحقاق حاصل ہوگیا ہے،

سب سے آخر مین ہمارے صوبہ کی سب سے نوعمر لکھنؤ یونیورسٹی نے اسمین قدم رکھا، اس نے چند سال سے فاضل ادب و فاضل حدیث وغیرہ کے نام سے امتحانات کھولے ہین طلبہ اور دوسرے عربی مدارس سے پڑھکر اُن امتحانات مین شریک ہورہے ہین، جون کے اواخر مین یونیورسٹی نے مزید ترغیب پیش کی ہے کہ اپنے یہان کے مشرقی امتحانات کے کامیاب طلبہ کو

اپنے کالج مین پنجاب کی طرح صرف انگریزی امتحان دیکربی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی اجازت دیگئی یہ بجلی کسی اور مدرسہ کے خرمن پر گرے یا نہ گرے مگر ہمارے مدرسہ کے خرمن پر تو گر رہیگی کہ یہ آگ ہمارے خرمن کے دامن ہی مین لگی ہے (لکھنؤ یونیورسٹی اور دار العلوم ندوہ دونون ہمسایہ واقع ہین) طلبہ نہایت آسانی کے ساتھ ان امتحانات مین شریک ہوکر استحقاقاتِ ملازمت حاصل کر رہے ہین اور یہ شعبدہ بازی عین اسوقت کی جارہی ہے جبکہ پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کی بلند بانگی کا طلسم ہماری آنکھون کے سامنے ٹوٹ رہا ہو اور یہ استحقاقات سلب ہورہے ہین چنانچہ صرف انگریزی ادب کا امتحان دیکربی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنیکی رعایت بھی غائب ہوچکی ہے اور تاہم وہی کھیل جو پنجاب مین کھیلا گیا، ہمارے صوبہ مین کھیلا جارہا ہو اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ خود اس کھیل مین شریک ہین،

اس صوبہ کے عربی مدرسے سمجھ لیجیے کہ تمام ہندوستان مین مذہبی علوم و فنون اور دینی اخلاق و تربیت کا بار اٹھائے ہوے ہین اور یہین سے علما، مدرسین، واعظین، خطبا، مناظرین، اور قوم و مذہب کے خدمتگذار نکل نکل کر پھیل رہے ہین اور درحقیقت وہی اس پورے ملک کی مسلمان قومیت کے اصلی کارکن اور رہنما ہین، اگر پنجاب بنگال، بہار کی طرح اس صوبہ مین بھی قومی عربی مدارس کی تخریب کی یہ تدبیر آپکی غفلت ناتوجہی اور عدم امداد سے کارگر ہوگئی تو پھر ہندوستان مین اسلامی و شرعی علوم کا اللہ مالک ہے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہین کرسکتی؟

(۴)

ہم اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اسپر قلم اٹھاتے ہوے اس لیے جھجکتے تھے، کہ یہ فقہیانہ بحثین لوگون کو بے مزہ معلوم ہونگی مگر وقت کی نزاکت اور حالات کے تقاضے نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا، تاہم اب یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ عوام اور خواص دونون طبقون مین ان مباحث کو دلچسپی سے پڑھا جارہا ہے کہ مسلمانون کی بہت سے معاشرتی و اجتماعی حالات کا درست ہونا ان مباحث کے سلجھنے پر موقوف ہے نیز مسلمان عورتین جو اپنے حقوق سے روز بروز واقف ہوتی جاتی ہین ضرورت ہے کہ تحقیق کے ساتھ اُن کو ان کے جائز حقوق بتا دیے جائین اور وہ سیلاب بلا جو مغرب اور مشرق سے مسلمان عورتون کے حدودِ حرم مین داخل ہورہا ہے اسکے انسداد کی صورت پیدا ہو،

اس سے پہلے مضمون کے تین نمبر گذر چکے ہین اب یہ چوتھا نمبر ہے،

اس بحث کے قطعی فیصلہ کے لیے صرف ایک مسئلہ کا ذکر باقی ہے، اور وہ یہ کہ عاقل و بالغ لڑکی کے نکاح مین ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہین؟ امام شافعی اس کے قائل ہین کہ کسی عورت کا کوئی نکاح خواہ وہ کنواری ہو، بیوہ ہو، مطلقہ ہو، بالغہ یا نابالغہ کوئی ہو بغیر ولی کی اجازت کے جائز نہین، اور یہ اجازت نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت ہونی چاہیئے، اور اگر ولی نے بعد کو اجازت دی تو دوسرا نکاح بعد کو از سر نو پڑھوانا ہوگا، کیونکہ پہلا نکاح باطل و بیکار تھا، غرض امام شافعی کے نزدیک کنواری لڑکی کیلیے

صرف باپ کی رضامندی کافی ہے، لڑکی کی رضامندی ضروری نہیں، اور اگر لڑکی ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) ہے تو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ولی جائز کی رضامندی بھی شرط ہے، تاہم ولی کا فرض یہ ہے کہ لڑکی جس سے نکاح کرنا چاہے اُس سے زبردستی نہ روکے، اگر وہ روکے گا تو لڑکی کو حق ہے کہ وہ عدالت مین دعوی کر کے اس سے بزور اجازت حاصل کرلے،

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ نیچ طبقہ اور ادنی خاندان کی اگر لڑکی ہے تو ولی کی اجازت بغیر وہ نکاح کر سکتی ہے، لیکن اعلیٰ اور شریف خاندان کی لڑکی کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے کہ یہ لازمۂ شرافت ہے،

امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کی شرط صرف کمسن اور نابالغ لڑکی کیلیے ہی، بالغ لڑکی خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ اعلیٰ ہو یا ادنی اس کے نکاح کے جائز اور صحیح ہونے کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی قانوناً ضروری نہیں ہے، البتہ اخلاقاً ایک سعادتمند لڑکی کا فرض یہ ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی اس باب مین ضرور حاصل کرلے، اگر لڑکی نے ایسا نہ کیا، اور ولی کی رضامندی اور اجازت کی پروا نہ کی اور نکاح کر لیا تو ولی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، الا یہ کہ لڑکی نے اپنے سے فروتر اور حسب ارخاندان مین شادی کر لی یا خاندانی دین مہر سے کم دین پر شادی کر لی، تو چونکہ لڑکی کے اس فعل کا اثر خاندان کی عزت اور وقعت پر پڑتا ہے اس لیے ایسی لڑکی کے خلاف ولی کو عدالت مین چارہ جوئی کا حق حاصل ہے اور ولی کی درخواست پر قاضی کے فیصلہ سے ایسا نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے،

جہانتک ثیبہ لڑکی کا تعلق ہے ان دونون امامون کی رائے کے مطابق عملاً اس کی آزادی اور حقوق پر کوئی اثر نہین پڑتا، اگر پڑتا ہے تو صرف اس قدر کہ امام ابو حنیفہ لڑکی کی رائے اور مرضی کے مقابلہ مین ولی کو کسی قسم کا حق مداخلت نہین دیتے،

لہ کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۴۹،

امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی صورت مین لڑکی سلطنت یعنی قاضی کے یہان مرافعہ کرکے اپنی مرضی کے مطابق اجازت حاصل کریگی اور اسوقت ولی کی رائے اور مرضی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائیگا،

البتہ کنواری لڑکی کے حق مین ان دونون مجتہدین کے درمیان سخت تخالف ہے، امام اعظم کنواری لڑکیوں کی مرضی کے مقابلہ مین بھی ولی کی مرضی اور اجازت کو قانوناً کوئی ضروری چیز نہین سمجھتے، اور امام شافعی ضروری سمجھتے ہین، اور ولی کی اجازت کے بغیر کسی کنواری لڑکی کا نکاح نادرست کہتے ہین، ولی نہو تو خاندان کا بڑا یا قاضیِ وقت اس کا ولی قرار دیا جائیگا،

امام مالک کا مسلک گو معتدل ہو تاہم علاوہ گویا امام ابو حنیفہ ہی کے مسلک کے قریب ہے کہ ادنی اور اعلیٰ طبقہ کا فرق کر کے، ادنی درجہ کی لڑکی کے حق مین ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کو درست کہنا، اور اعلیٰ طبقہ کی لڑکی کے لیے اس کو نامناسب سمجھنا، ولی کی اجازت کے مسئلہ کو قانونی حیثیت سے گرا کر محض اخلاقی حیثیت قرار دیتا ہے، نیز ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق کرنا اور اس کا معیار مقرر کرنا عملاً نہایت مشتبہ ہے[۱]،

امام شافعی نے اپنے مسلک پر قرآن، حدیث اور قیاس سے استدلال کیا ہے، قرآن پاک سے اُن کا استدلال یہ ہے، کہ قرآن پاک مین ہے،

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ — تو عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح سے نہ روکو،

امام شافعی کہتے ہین کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار ایک صحابی کی بہن کو اُن کے شوہر نے طلاق رجعی دی تھی، مگر عدت کے اثنا مین شوہر دوبارہ اُن کو اپنی زوجیت مین لانا چاہتا تھا، وہ بی بی بھی یہی چاہتی تھین مگر اُن کے بھائی معقل بن یسار اپنے بہنوئی کے اس فعل سے ناراض ہو کر دوبارہ نکاح کی اجازت نہین دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ اولیا کو عورت کی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہیے، امام شافعی کہتے ہین کہ اگر ولی کو روکنے کا حق نہوتا، تو معقل کیون روکتے اور کیونکر روک سکتے تھے،

لہ بغدادی مالکیون نے امام مالک کی رائے امام شافعی کے موافق بھی نقل کی ہے، واللہ اعلم

اور اس آیت کے اُترنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے لیکن حتی الامکان عورت کی مرضی کے خلاف اُسکو نہ کرنا چاہیئے،

امام شافعی کے اس استدلال پر جسکو خود اُنھون نے کتاب الام مین لکھا ہے، نہ صرف احناف بلکہ مالکیون نے بھی سخت اعتراض کیے ہین، اور ثابت کیا ہے کہ اس آیتِ پاک سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف مرد کو روکنے کا حق حاصل نہین ہے، قاضی ابوالولید بن رشد مالکی نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد مین نہایت خوبی سے اسکو ثابت کیا اور امام ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے،

اس استدلال کا آسان جواب یہ ہے کہ جاہلیت مین مردون کو عورتون پر جو جابرانہ حقوق حاصل تھے، ان مین سے ایک یہ بھی تھا کہ ولی جس سے چاہتے تھے نکاح کر دیتے تھے اور جس سے چاہتے تھے نہین کرنے دیتے تھے، حضرت معقل بن یسار اسی رواج و عمل کے مطابق کسی شرعی حق سے نہین بلکہ بزبردستی اور زور سے بہن کو یہ نکاح نہین کرنے دیتے تھے، قرآن پاک نے اس آیت سے اس رسم و رواج کو توڑ کر عورتون کو اُن کا مغصوبہ حق واپس دلایا، اس لیے اس آیتِ پاک سے امام شافعی کا اپنے مسلک پر استدلال میرے نزدیک صحیح نہین،

اس کے بعد اُنھون نے اپنی تائید مین دو حدیثین نقل کی ہین، بیہقی اور دارقطنی نے سنن مین اور متعدد حدیثین ان کی تائید مین اضافہ کی ہین، مگر حق یہ ہے کہ امام شافعی کی پیش کردہ دو حدیثون کے علاوہ اور سب کی سب تمام تر ضعیف، کمزور اور مجروح ہین، امام شافعی نے جو دو حدیثین پیش کی ہین، ان مین ایک حضرت عائشہؓ اور دوسری حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل و ثلاثا، فان دخل بھا فلھا	جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اسکا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے،

المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی لہ	اگر شوہر نے خلوت کر لی ہو تو اسکو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر عورت اور اسکے ولی مین جھگڑا ہو تو حکومت اسکی ولی ہے جس کا ولی کوئی نہو

یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ مین ہے، دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

لا نکاح الا بولی	کسی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین ہے،

یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی اور مسند احمد مین ہے، ان دونون حدیثون کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ آج سے نہین بلکہ پہلی ہی صدی ہجری سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ یہ صحیح ہین یا نہین، چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ ایسے ضروری مسئلہ کے متعلق یہ اور کوئی صاف اور غیر مشتبہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم مین موجود ہے، اور غالباً جو اعتراضات ان دونون حدیثون کی صحت پر کیے جاتے ہین انھین کی بنا پر امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین مین ان کو قبول نہ کیا، اور امام مالک نے بھی موطا مین اس کے متعلق کوئی مرفوع حدیث نقل نہین کی، حالانکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی ضرورت ہر خاندان مین عموماً پیش آتی رہتی ہوگی،

بہرحال ان دونون حدیثون کا بھی یہ حال ہے کہ ان مین سے ایک بھی شکوک و شبہات اور اعتراضات سے خالی نہین ہے، امام حاکم نے مستدرک مین مختلف طریقون سے ان حدیثون کے صحیح ثابت کرنے کی بے انتہا کوشش کی ہے، امام ترمذی نے بھی ان اعتراضات کو صفائی کے ساتھ لکھا ہے، اور مختصراً جواب دیا ہے، امام طحاوی، عینی اور ابن ہمام نے ان جوابات پر مفصل تنقید کی ہے،

حضرت عائشہؓ کی حدیث

حضرت عائشہ صدیقہؓ والی حدیث کا سلسلہ یہ ہے کہ ان سے عروہ، عروہ سے زہری، زہری سے سلیمان بن موسیٰ، اور سلیمان سے ابن جریج اور ان سے اور لوگ روایت کرتے ہین، غرض اس کے مرکزی راوی تنہا زہری ہین، زہری کے علاوہ اور کسی نے اس کو عروہ سے نقل نہین کیا ہے، ابن جریج نے

پہلے یہ روایت خود زہری سے نہین سُنی تھی بلکہ اُنکے شاگرد سلیمان سے سُنی تھی، ابن جریج کہتے ہین کہ اسکے بعد مجھے خود زہری سے ملنے کا اتفاق ہوا تو مین نے اُن سے یہ حدیث دریافت کی تو اُنھون نے کہا مین نے اس قسم کی کوئی روایت بیان نہین کی، اسکے بعد اس روایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے

سلیمان بن موسیٰ (اموی) جو اس حدیث کا زہری سے سننا بیان کرتے ہین، وہ بہت بڑے فقیہ ہین اور محدثین کے ہان بھی وہ ثقہ مانے جاتے ہین مگر ساتھ ہی وہ مدلس اور روایتون مین بے پروا تھے، اسی لیے ان کے ہان کمزور بلکہ منکر روایتین بھی ملتی ہین، اور ایسی روایتین بھی ملتی ہین جن کی تصدیق اُن کے ہم درس رفقاء نہین کرتے، امام بخاری کہتے ہین "عنده مناكير" یعنی ان کی حدیثون مین منکر روایتین بھی ہین، ابو حاتم کا قول ہے کہ "کئی جگہ سچائی کی ہے، ان کی حدیث مین کچھ اضطراب ہوتا ہے، اور مکحول کے شاگردون مین ان سے بڑھ کر اور کوئی مجھے نہین معلوم" امام نسائی کی ان کی نسبت یہ راے ہے کہ "وہ فقہاء مین سے ایک ہین، لیکن حدیث مین قوی نہین" ایک اور جگہ وہ کہتے ہین کہ "ان کی حدیث مین کچھ ہے" ابن عدی نے کہا ہے کہ "وہ فقیہ راوی ہین، ثقات نے اُن سے روایتین کی ہین، شام کے علماء مین سے ایک ہین، اور اُنھون نے چند ایسی حدیثین روایت کی ہین جن مین وہ تنہا ہین، اُن کے سوا کسی اور نے نہین روایت کی ہین اور وہ میرے نزدیک ثابت اور سچے ہین" ابن المدینی کا بیان ہے کہ مرنے سے پہلے ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا،

ان بیانات کے بعد اس خاص روایت پر غور کیجیے، کہ وہ امام زہری سے اس کا سننا بیان کرتے ہین اور وہ اس سے انکار کرتے ہین اور اُن کا مسلک بھی اس کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ اس کے خلاف ان کا عمل صحیح مستند ذریعہ سے ثابت ہے، اس روایت مین دو باتین ایسی ہین جن کی تصدیق کسی اور روایت سے نہین ہوتی، ایک کہ ولی کی وساطت کی نہین بلکہ ولی کی اجازت اور اذن کی قید، اور دوسرے یہ کہ اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت اور اذن کے بغیر نکاح کر لیا تو وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے" باطل ہے" حالانکہ اس سے زیادہ مستند اور صحیح حدیثون کے رو سے کم از کم ثیبہ کیلیے اس اجازت اور اذن کا غیر ضروری ہونا غیر مشتبہ طریقہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اس مضمون کے گذشتہ نمبرون مین بہ تفصیل گذر چکا ہے،

اس حدیث کے بعض طرفدارون نے دو جوابات دیے ہین، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ امام زہری کو اپنی یہ روایت سلیمان بن موسیٰ سے بیان کرنے کے بعد یاد نہ رہی ہو، اس قسم کا واقعہ اور بزرگون کو بھی پیش آیا ہے، دوسرے یہ کہ ابن جریج سے زہری کے اس انکار کے راوی ابن علیہ (اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم) ہین، ان ابن علیہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ حدیث کے ماہرین مین نہ تھے، پہلا جواب اس وقت تک قابلِ قبول نہین ہو سکتا جب تک امام زہری کے اس سوءِ حافظہ کی نسبت معتبر لوگون کی شہادتین نہ ملین اور ایسی کوئی شہادت قطعاً موجود نہین ہے، اور اگر بالفرض ایسی شہادتین مل جائین تو معاذ اللہ پھر امام زہری کا بھی اعتبار جاتا رہے، حالانکہ علم حدیث کی عمارت کے سب سے بڑے رکن ہین، ان کے گرنے سے یہ ساری عمارت ہی متزلزل ہو جائے گی، اس موقع پر دوسرے بزرگون کی اس قسم کی نظیرین پیش کرنا بیکار ہے کہ زید کے سوءِ حافظہ کے ثبوت سے بکر کا سوءِ حافظہ ثابت نہین ہو سکتا،

دوسرا جواب پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے، ابن علیہ ان محدثین مین ہین جو ردّ و قدح اور اعتراض و جرح سے بالاتر ہین، ان کی جلالتِ شان اور مہارتِ فن پر تمام محدثین کا بلا استثناء اتفاق عام ہے، ان کی یہ شان ہے کہ تمام عمر مین صرف ایک دفعہ ایک نام کی تبدیلی کے سوا اور کوئی غلطی اُن سے نہین ہوئی، چنانچہ ارباب نقد کی ان کی نسبت رائین سنیے، شعبہ کہتے ہین "وہ فقہاء کے پھول ہین، محدثون کے سردار ہین" ابن مہدی کہتے ہین "ابن علیہ ہشیم سے بڑھ کر ہین" قطان کی راے ہے کہ "وہ وہیب سے بڑھ کر ہین، حماد بن سلمہ اُن کے سوا کسی اور کو خاطر مین نہین لاتے تھے" امام احمد فرماتے ہین "بصرہ مین علم حدیث کے وہ مرکز و منتہی ہین" یحییٰ بن معین کہتے ہین "ثقہ ہین، مامون ہین، مسلّم الثبوت راستگو ہین، پرہیزگار اور متقی ہین" امام باقر (غندر) کہتے ہین "میری طلب علم کے زمانہ مین اُن سے بڑھ کر کوئی نہین سمجھا جاتا تھا" قتیبہ کی روایت ہے کہ "محدثین صرف چار حافظِ حدیث تسلیم کرتے تھے، جن مین ایک وہ تھے" ایک دفعہ کوفہ اور بصرہ کے محدثین ایک جگہ جمع تھے، اور دونون شہرون کی علمی فضیلت کا مناظرہ در پیش تھا، اسوقت کوفہ

کے محدثین نے کہا کہ "تم اپنے میں سے ابن علیہ کو مستثنیٰ کرکے جسکو چاہو ہمارے مقابلہ میں پیش کرو"
زیاد بن ایوب کہتے ہیں کہ ہم نے ابن علیہ کے سامنے کتاب نہیں دیکھی، اور وہ ایک ایک حرف کو
گن گن کر بولتے تھے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ "محدثین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس سے بلا قصد کوئی غلطی
نہ ہوگئی ہوگی لیکن دو شخص اس سے مستثنیٰ ہیں، ابن علیہ اور بشر بن مفضل"، امام نسائی کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت
ہیں، ابن سعد کی شہادت ہے کہ وہ ثقہ حدیث میں مستند (ثبت) اور حجت ہیں" علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ
میں نہیں کہہ سکتا کہ حدیث میں ان سے بھی زیادہ کوئی مستند (اثبت) پایا جاتا ہے، عثمان بن ابی شیبہ
کہتے ہیں کہ اہل بصرہ میں کسی کو میں ان پر فضیلت نہیں دے سکتا"[1] ان سب باتوں پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے
خلاف کوئی ایک جرح بھی منقول نہیں، کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے حدیث میں پوری محنت
نہیں کی تھی کما دوی الترمذی وحاکم عن احمد وقد قد ما قال فیہ احمد،

اس پوری تفصیل کے بعد اب غور کیجئے کہ زہری سے سلیمان بن موسیٰ جن کا حال آپ سن چکے یہ روایت
کرتے ہیں کہ میں نے یہ سُنا اور ان سے سنکر ابن جریج سے یہ روایت بیان کی، ابن علیہ جن کی جلالت و عظمت کا
حال بھی آپ کی نظر سے گذر چکا وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن جریج نے زہری سے ملکر جب اس روایت کی تصدیق
چاہی تو انھوں نے کہا کہ میں نے یہ نہیں بیان کیا، اب اعتبار اور استناد کا پلہ کدھر جھکتا ہے اور کس کی تصدیق
وتوثیق اس باب میں مقدم ہے آپ خود فیصلہ کر لیجئے،

اس تمام تفصیل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث کہ جس کے رو سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ولی کے اذن و اجازت
کے بغیر کوئی نکاح جائز نہیں، پایہ اعتبار سے ساقط ہے،

اب رہی دوسری حدیث

حضرت ابو موسیٰ کی حدیث	یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ رضہ سے مختلف طریقوں سے روایت کی جاتی ہے، کسی میں کوئی

[1] تہذیب التہذیب

نام بڑھا دیا جاتا ہے کسی میں کوئی نام گھٹا دیا جاتا ہے،
حضرت ابو موسیٰ سے اس کے تنہا راوی ابو بردہ ہیں، اور ان سے تنہا راوی ابو اسحاق ہیں، ابو اسحاق
سے پھر ان کے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہیں اب اس روایت کے اختلاف طرق کو دیکھئے،

۱- اسرائیل، شریک اور ابو عوانہ وغیرہ نے اس طریق سے روایت کی ہے، عن ابی اسحاق عن
ابی بردۃ، عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم،

۲- اسباط بن محمد و زید بن حباب اس طرح نقل کرتے ہیں، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن
ابی موسیٰ عن النبی صلعم یونس بن ابی اسحاق کا اضافہ ہے،

۳- ابو عبید الحداد کی روایت، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ،
عن النبی صلعم، ابو اسحاق کو حذف کر دیا،

۴- بروایت بعض عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم شروع سے ابو اسحاق اور
آخر سے ابو موسیٰ کا نام نکل گیا،

۵ شعبہ اور ثوری کا طریقہ یہ ہے عن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم، آخر میں حضرت ابو موسیٰ رضہ کا نام نہیں،
ابو اسحاق اور ابن ابی اسحاق کے ابتدائی اختلاف سے قطع نظر کرکے اصل خرابی اسمیں یہ ہے کہ ابو اسحاق
سے اکثر اصحاب اس کو موصول روایت کرتے ہیں یعنی ابو اسحاق سے آنحضرت صلعم تک مسلسل اسحاق ابو بردہ سے
اور ابو بردہ ابو موسیٰ سے اور ابو موسیٰ آنحضرت صلعم سے، مگر بعض لوگ جن میں سب سے اہم شخصیتیں شعبہ اور
امام ثوری کی ہیں، انھوں نے اسکو مرسل روایت کیا ہے، یعنی اس طرح کہ وہ ابو اسحاق سے اور ابو اسحاق

[1] جامع ترمذی کا جو نسخہ ۱۲۶۵ھ میں مطبع العلوم دہلی میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے زیر تصحیح چھپا ہے، وہ اس موقع پر
غلط ہے اسمیں صرف حضرت شعبہ اور ثوری کی روایت کی سند عن ابی اسحاق عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم لکھی ہے، اور دوسری سند بھی غلط ہے
اس میں عن ابی اسحاق بڑھا دیا ہے، دیکھو مطبع مجتبائی دہلی اور فتح الباری ۹-۱۵۷ اور مستدرک ۲-۱۷۰،

ابوبردہ سے اور ابوبردہ اسکو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہین، یہ طریقہ مرسل ہی، کیونکہ ابوبردہ تابعی ہین آنحضرت صلعم کو نہین پایا تھا، اب اگر یہ موصول صحیح ہو جیسا کہ اور لوگ کہتے ہین تو یہ حدیث سند کے قابل ہی اور اگر یہ مرسل ہے جیسا کہ شعبہ اور ثوری نے نقل کیا ہے تو یہ حجت نہین ہو سکتی، گو ابو اسحاق سے روایت کرنیوالون کی کثیر تعداد اس کو موصول کرکے نقل کرتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ وثوق حفظ، شہرت اور فضل و کمال کے لحاظ سے ان مین شعبہ اور ثوری کا کوئی ہمسر نہین، اس بنا پر شعبہ اور ثوری جب اس روایت کو مرسل اور غیر مرفوع کہتے ہین تو عام افراد کو اُن کے خلاف ترجیح دیکر اس کو موصول قرار دینے مین بہت سے لوگون کو تامل ہے،

اس روایت کے طرفدارون نے دو کوششین کی ہین، اول یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ گو عام طور سے شعبہ اور ثوری سب سے بہتر ہین، مگر خاص ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل کو ان پر بھی ترجیح ہے اور اسرائیل نے اس کو موصول نقل کیا ہے، اس لیے یہ موصول ہو کر قابل حجت ہے، دوسری کوشش یہ کی ہی کہ یہ کہدیا کہ ثوری نے بھی اس کو موصولاً (عن ابی بردۃ عن ابی موسی) روایت کیا ہے، مگر یہ دوسری کوشش تمامتر لغو ہے، سفیان ثوری نے اپنی جامع مین اس کو مرسل ہی نقل کیا ہے، اسی لیے امام ترمذی نے صاف کہدیا ہے کہ یہ صحیح نہین ہے، البتہ یہ درست ہے کہ ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل بہت زیادہ مستند ہین، پھر یہ کہ شعبہ اور ثوری دونون نے ایک ساتھ ایک مجلس مین ابو اسحاق سے اس کو سنا ہے، اور دوسرون نے مختلف وقتون اور مختلف مجلسون مین اسکو ابو اسحاق سے سنا، کسی درس و محدث کا ایک مجلس مین غلطی کرنا ممکن ہے، اس لیے قرینۂ غالب یہ ہے کہ اس بارہ مین شعبہ اور ثوری کے مقابلہ مین دوسرے کثیر اشخاص کی سماعت جو اس کو موصول بیان کرتے ہین زیادہ صحیح ہو،

اس معنی کی اور بھی متعدد حدیثین لوگون نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے روایت کی ہین، مگر وہ تمامتر مجروح و ضعیف و مشتبہ و مرسل ہین اور محدثین احناف نے ان مین سے ہر ایک کا ضعف ظاہر کر دیا ہے، تاہم اس مین شک نہین کہ ان کی مجموعی تائید سے ابو اسحاق کی اس روایت کی صحت زیادہ قوی ہو جاتی ہے،

اسی لیے اُن محدثین نے بھی جو اس روایت کو صحت کے اعلیٰ معیار پر نہین جانتے اس کو قبول کرنے کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے باوجود اس کے کہ اس کو اپنے شرائط کے مطابق نہ پاکر اپنی کتاب مین درج نہین کیا ہے تاہم ان الفاظ لا نکاح الا بولی کو عنوانِ باب قرار دیکر بعض آیتون اور بعض حدیثون سے اسکو مستنبط کرکے ثابت کرنا چاہا ہے، تاہم چونکہ دلائل زیادہ مضبوط نہ تھے اس لیے امام موصوف نے اُدھر کے میلان کے باوجود باب کا عنوان یہ رکھا ہے،

باب من یقول لا نکاح الا بولی — ان لوگون کی دلیلون کا باب جو یہ کہتے ہین کہ ولی کے بغیر نکاح نہین

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی دوسرے فریق کے لیے پاؤن ٹکنے کی جگہ ہے، اس کے بعد امام موصوف نے ان تین آیتون کو نقل کیا ہے جن مین اللہ تعالیٰ نے مردون کو خطاب کرکے مسلمان عورتون کے نکاح اور کافر عورتون کے عدم نکاح کا حکم دیا ہے، مگر ان آیتون کے مقابلہ مین جو دوسری آیتین ہین جن مین خود عورتون کی طرف نکاح کے فعل کو منسوب کیا گیا ہے چھوڑ دیا ہے، پھر تین حدیثین نقل کی ہین جن مین سے ایک معقل بن یسار صحابی کی بہن کا واقعہ ہے، کہ اُن کے بھائی نے ان کی شادی کردی، دوسرا حضرت عائشہؓ کا تاریخی بیان ہے کہ عرب مین چند طرح کے نکاح جاری تھے، اسلام نے ایک کے سوا سب کو حرام کر دیا، اور ایک جسکو جائز کیا وہ وہی ہے جس کا آج رواج ہے، یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس کے زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کی نسبت نکاح کا پیغام دیتا ہے، وہ اس کو قبول کرلیتا یا انکار کر دیتا ہے، تیسری حدیث اس بدصورت دولتمند یتیم لڑکی والی پیش کی ہے جسکے ولی اس کی بدصورتی کی سبب سے نہ خود نکاح کرتے ہین اور نہ دولت کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے اس کو دوسرے سے بیاہ دیتے ہین، ایسے اولیا کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے، چوتھا واقعہ حضرت حفصہؓ کا پیش کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا،

مگر میری راے مین ان مین سے کوئی حدیث اصل مدعا پر منطبق نہین ہوتی، معقل بن یسار کے واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ لڑکی کی مرضی کے مطابق ولی کو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر نکاح کر دینا پڑا، اور ولی کو مخالفت کا

کوئی اختیار نہ رہا، دوسری حدیث سے مسئلہ کی عام صورت رائج الوقت معلوم ہوئی، جو عموماً آج بھی وہی ہے،
اس کا یہ منشا نہیں ہو کہ صرف یہی طریقہ جائز ہے، خود آنحضرت صلعم کے نکاح ہوئے ہین آنحضرت صلعم نے
بعض مسلمان عورتون کے نکاح کیے ہین خود حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجیون کے نکاح کیے ہین مگر مخصوص اس
صورت پر نہین ہے اور بہت سے صحابہ نے براہ راست عورتون کو پیغام دیے ہین اس کے لیے اس مین
عام رائج کثیر الوقوع صورت کا صرف تذکرہ ہے، دوسری صورت کی ممانعت نہین ہو جو تھا واقعہ صرف
اس کو ظاہر کرتا ہو کہ باپ اپنی لڑکی کا پیغام دے سکتا ہے، اور اس کا نکاح پڑھا دے سکتا ہے اور امین سے
کسی بات سے اس کو انکار نہین،

پھر وہی ایک حدیث رہ جاتی ہے کہ لا نکاح الا بولی اس کے صحیح مان لینے کے بعد بھی یہ بحث
باقی رہ جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور منشا کیا ہے،

اتحاد (بہار شریف) کا سالگرہ نمبر

صوبۂ بہار کے واحد ہفتہ مین دو بار شائع ہونے والا اخبار اتحاد کا سالگرہ نمبر نہایت اہتمام کے
ساتھ ماہ ستمبر مین شائع ہوگا، اسمین مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین، اعلی تصویرین، رنگین اور سادہ نقشے
اور کارٹون وغیرہ بکثرت ہون گے، اس کا حجم سو صفحون سے زیادہ ہوگا اور دس ہزار کی تعداد مین چھپے گا
صوبۂ بہار اسلامی ہندوستان کا اہم صوبہ ہے اسکے حالات سے دوسرے صوبون کے لوگون کو واقف ہونا
چاہیئے جس کا ذریعہ صرف اخبار اتحاد ہے اسکی عام قیمت ۳ سالانہ ہے اور اس کے آئندہ سالگرہ نمبر کی
قیمت فی جلد مع محصول ڈاک رجسٹری فیس صرف ۱۲ مشتہرین کے لیے نادر موقع ہے اس صوبہ مین ان کے تجارتی
سامانون سے واقفیت اسی اخبار سے ہوسکتی ہے اشتہار کا خاص رعایتی نرخ مینیجر اتحاد بہار شریف (پٹنہ)
سے فوراً طلب کیجیے،

امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا

از جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج، لائل پور

معارف جلد ۱۸ نمبر ۲ مین ورلڈ ٹوڈے کے فروری ۱۹۲۶ء کے حوالہ سے ایک مختصر سا نوٹ
اس مضمون کا تھا کہ امریکہ کولمبس سے عرصہ پہلے معلوم تھا، مجھے یہ مضمون دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ
مین نے "ورلڈ ٹوڈے" کا مندرجۂ بالا نمبر منگوایا، مضمون نہایت دلچسپ ہے اس کے ترجمہ کا خیال
پیدا ہوا، لیکن رسالۂ ہذا کے سرورق سے معلوم ہوا کہ مضمون زیر بحث کے ترجمہ کی اجازت نہین ہے، مین نے رسالۂ
مذکور کے مینجر کو اجازت کے لیے لکھا وہ خود اجازت نہین دے سکتا تھا، چنانچہ اس نے میری چٹھی ورلڈ
ورکس کے کارکنون کے پاس بھیجدی، جنھون نے نہ صرف اجازت ہی دی، بلکہ "ورلڈ ورکس" کے ایک نمبر کا
حوالہ بھی دیا، جس مین یہی مضمون اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا، یہ مضمون خاص طور پر کل دنیا کے لوگون کے
کے لیے بہت دلچسپ ہے، کیونکہ امریکہ کی دریافت مین اُن کا بھی بہت سا حصہ معلوم ہوتا ہے لہٰذا مضمون ہٰذا
کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے، مین کارپردازان "ورلڈ ورکس" کا سپاس گذار ہون جنھون نے بڑی خوشی سے
مجھے اپنا شوق پورا کرنے کی اجازت دی، (سردار محمد)

گذشتہ ۴۳۴ سال تک کولمبس کو دنیا بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی رہی ہے، اسے سیرت کا
نمونہ اور مردانہ وار کامیابی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے، بلکہ یہ عزت و احترام ادب اور
محبت کے درجہ تک پہنچ چکا تھا، گذشتہ چند سال مین جو تحقیقات ہو چکی ہے، وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے، کیونکہ
اس کے نتائج کے مطابق اگر کولمبس کا نام اپنی تمام شہرت نہ کھو بیٹھے، تو کم از کم اس شہرت مین کمی ضرور واقع
ہو جائے گی، نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کولمبس گو بہت بڑا اور نہایت اچھا انسان ہو لیکن

لیکن اُس نے امریکہ کو دریافت نہین کیا تھا، بلکہ اب تو کولمبس کی اپنی ذات کے متعلق تحقیقات نہایت ضروری ہو گئی ہے، جن محققون نے اس مضمون پر دماغ سوزی کی ہے، وہ گذشتہ چند سالون سے پکار پکار کر اعلان کر رہے ہین کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا کولمبس کے سر پر غلطی سے رکھ دیا گیا ہے، عوام تو ایک طرف اس مضمون مین دلچسپی لینے والے اصحاب نے بھی ابھی تک اس نئی دریافت کی طرف توجہ نہین کی، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ کولمبس کی شہرت کو ابھی تک معتد بہ صدمہ نہین پہنچا، وجہ یہ ہے کہ تحقیقات کے نتائج تو شایع کئے گئے ہین، لیکن ایسی زبان مین اور ایسی کتابون اور رسالون مین جو عوام مین ہر دلعزیز نہین ہین اور مضامین کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً اس موضوع پر شایع ہوتے رہے ہین، حال ہی مین لیو وینر آف ہارورڈ (leo wiener of HARVURD) کے قلم سے ایک کتاب تین جلدون مین شایع ہوئی ہے، اس مین نہایت واضح طور پر اور پرزور الفاظ مین ثابت کیا گیا ہے کہ کولمبس نے حاشا وکلا امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب بھی عام فہم نہین، بلکہ عوام کے لیے اس کا مطالعہ شاید ایسا ہی بے لطف ہو، جیسے کہ اقلیدس یا برقیات کے مضمون کا، اور کتاب کا نام یعنی "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ایسا ہے کہ فوراً اس کے پڑھنے سے اس کے اندر کے نفس مضمون کے متعلق گمان تک بھی نہین ہو سکتا،

آج سے چند سال پہلے جب مسٹر وینر نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبان کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جو اصحاب وینر کی قابلیت سے واقف ہین، انھین خوب معلوم ہے کہ وینر انسانی زبان اور اُسکے متعلق قواعد و قوانین کے نہایت اعلیٰ درجہ کے ماہرون مین سے ہے، چھبیس زبانون مین وینر نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ کی ہر نسل اور ہر قوم کے باشندون کے ساتھ وہ اُنھی کی زبان مین ہم کلام ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اُسے ہر اس طریقہ کے متعلق جو بنی نوع انسان آپس مین تبادلۂ خیال کے لیے استعمال کرتے رہے ہین، عالمانہ واقفیت ہے، ان معلومات کے

ساتھ اس نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبانون کے متعلق تحقیقات شروع کی، چنانچہ اُسے معلوم ہوا کہ ان کی زبان مین غیر ملکی الفاظ کی بہت زیادہ ملاوٹ ہے، غیر ملکی زبانون مین سے جن کے الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین مل چکے ہین، انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی زبانین خاص طور پر قابل ذکر ہین، لیکن سب سے پہلے داخل ہونے والے الفاظ عربی زبان کے ہین اور وینر کا خیال ہے کہ یہ الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین ۱۲۹۰ء کے قریب داخل ہوے ہین، یہ سنہ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ کولمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور دنیا مین اس کے دو سو سال بعد مچایا، وینر کی مندرجۂ بالا کتابون کے شایع ہونے کے بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ۱۲۹۰ء سے بھی دو سو سال پہلے غیر زبانون کے الفاظ امریکہ کی اصلی زبانون مین شامل ہو چکے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ وینر سے پہلے چند ایک نہایت ممتاز ہستیان جن مین سے فرانس کا ایک سابق سفیر متعینہ نیویارک بھی ہے، کولمبس کو امریکہ دریافت کرنے والا خیال نہین کرتی تھین لیکن علوم السنہ کی بنا پر وینر کے اعلان سے پہلے اُنھین ایسے اخذ کردہ نتائج پر پورا بھروسہ نہین تھا، چنانچہ اب اُن کے شبہات بالکل دور ہو گئے ہین،

اس مین شبہ نہین کہ مندرجۂ بالا بیان حیرت انگیز ہی نہین، بلکہ ایسا ہے کہ بہت جلدی اس پر یقین کرنے کو طبیعت تیار نہین ہوتی، لیکن ہمین یہ یاد نہین رہتا کہ ہم سے پہلے دنیا مین قومین ہو گذری ہین، اگر اقوام سلف کا خیال ہمین آتا ہے، تو صرف اس طرح سے کہ ہم ان کو وحشی اور غیر مہذب خیال کرتے ہین جو بڑی مشکل سے زیست بسری کرتی ہون گی، دراصل چودھوین اور پندرھوین صدی کی اقوام نے جہازرانی مین وہ وہ کارہائے نمایان کیے ہین کہ ان کے متعلق ہمین واقفیت ابھی ہونی شروع ہوئی ہے، کولمبس سے پہلے بحر اوقیانوس مین جہازرانی خوب زور شور سے ہوتی تھی، اور مغربی یورپ کے بحری سوداگر نہایت کامیابی سے تجارت کرتے تھے، اُن کے تجارتی بڑے اچھی طرح

مستحکم تھے، اپنی تجارت کو نئے میدانون مین پھیلانے کی وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ نئے نئے
علاقے قدرتی طور پر دریافت ہوتے رہتے تھے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امریکہ کولمبس سے مدت پہلے دریافت ہو چکا تھا، تو یہ امر پوشیدہ
راز مین کیون رہا، اور ایسی طرح سے کہ کسی تاریخ مین اس کا ذکر نہین آتا، یہ بات بلا خوف تردید ثابت
ہو چکی ہے کہ کولمبس سے اگر زیادہ نہین، تو کم از کم ایک سو سال پہلے ڈیپی اور رون (Deppe Roven)
کے فرانسیسی سوداگر افریقہ کے ساحل گینی (Guinea)، اور غالباً جنوبی امریکہ کی خلیجون مین سونا،
ہاتھی دانت، مسالہ، کھالون اور قیمتی پتھرون وغیرہ وغیرہ کے لیے جایا کرتے تھے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے
کہ ان کی تجارت ایسی ہی باقاعدہ اور مستحکم تھی، جیسی کہ آج کل کی کمپنیون کی لیکن اس سب تجارت کو
جہان تک ہو سکتا تھا خفیہ رکھا جاتا تھا، وجہ یہ تھی، کہ اس زمانہ مین تجارت کے علاوہ جنگ وجدال
بھی ایک باقاعدہ پیشہ تھا، چھوٹے چھوٹے بادشاہ روزمرہ کی زندگی سے تنگ آکر کسی قریبی کے ساتھ
لڑائی کے میدان مین شہرت کے متلاشی ہوتے تھے، لیکن لڑائی مین خواہ وہ شہرت کے لیے ہو، خواہ
حفاظت کے لیے، روپیہ کی ضرورت ہے، جس کے لیے سوداگرون پر بہت بھاری ٹیکس لگائے جاتے
تھے، عوام کے پاس اس قدر روپیہ نہین ہوتا تھا کہ ان کے پاس سے ٹیکس وصول کرنے کی زحمت گوارا
کی جاتی، چنانچہ سوداگر لوگ اپنی دولت اور اس کے منبع اور ماخذ کا علم جہان تک ہو سکے کسی اور کو ہونے
نہین دیتے تھے، نہایت خاموشی سے جہاز ڈیپی اور رون سے رخصت ہو جاتے تھے، اور ایسے ہی چپکے
سے واپس آ داخل ہوتے تھے، سوداگرون کے علاوہ اور کسی کو علم تک نہین ہوتا تھا، کہ جہاز کب اور کہان
گئے، اور کب واپس آئے، اب ہمین اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ڈیپی کے مقام پر ان سوداگرون کا
ایک بحری دفتر تھا، جہان کاروبار کے متعلق ہر قسم کے کاغذات رہتے تھے، اور وہان بھی ان کا محکمہ اطلاعات
تھا، ابھی تک یہ دریافت کرنا باقی ہے کہ اس طریقہ پر کاروبار کتنے عرصہ تک ہوتا رہا، لیکن یہ امر یقینی ہے

کہ کئی صدیون تک ایسا ہوتا رہا، اور وہ زمانہ کولمبس کی پیدائش سے بہت پہلے تھا، اس بحری دفتر مین
ہر جہاز کا کپتان سفر سے واپسی پر اپنے سفر کا مفصل بیان اپنے آقاؤن اور دوسرے کپتانون کے آیندہ سفرون
مین رہبری کے لیے پیش کرتا تھا، جہازون کے افسر نہایت قابل اور اپنے زمانہ کے چیدہ جہاز ران
ہوا کرتے تھے، اور دنیا کے نئے ملکون مین اپنی تجارت کو پھیلانے مین ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی
کوشش کرتا تھا، ہر کپتان کو باقاعدہ لائسنس لینا پڑتا تھا، اور بحری تجارت اور اس کی ملازمت نہایت
باقاعدہ طریقون پر تھی،

سنہ ۱۶۹۴ء مین اس بحری دفتر پر ایک مصیبت نازل ہوئی، جسکی وجہ سے اس کا کوئی نشان باقی
نہ رہا، انگلستان اور فرانس کے درمیان لڑائی کے دوران مین ڈیپی پر گولہ باری ہوئی، اور بحری دفتر
اور گودام مع کاغذات کے تلف ہو گئے، لیکن خوش قسمتی سے کچھ مواد باقی رہ گیا، جس نے اس عقدہ کے
حل کرنے مین بہت مدد دی ہے، ہر زمانہ کے تاجرون کی طرح اس وقت بھی تاجرون مین کچھ نہ کچھ
باہمی اختلافات ہوا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر ایک تنازعہ قانونی عدالت تک گیا، عدالت مین
اصلی کاغذات یا ان کی مصدقہ نقلون کا پیش ہونا ضروری تھا، خوش قسمتی سے ڈیپی کے بحری دفتر کے
کچھ کاغذات کی نقول عدالت کی مثلون مین شامل ہو گئین اور وہان محفوظ رہین، ان کاغذات کے مطالعہ
سے محققین کو مقصود بحری تجارتی مرکز، اس کے کاروبار اور اس زمانہ کے متعلق جس مین اس کا کاروبار عروج
پر تھا بہت سی معلومات حاصل ہوئی تھین، مثلاً دستاویزات موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ ڈیپی مین اور تجارتی کمپنیون کے علاوہ ایک کمپنی تھی جس کا نام انگوٹ برادران (Angot Brothers)
تھا، اور یہ سنہ ۱۴۷۰ء سے سنہ ۱۵۰۸ء تک رونق پر رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین اس کمپنی کی
ایسی ہی شہرت تھی، جیسے کہ آجکل روتھ چارلڈز (Rothchilds) کی ہے یہ یاد رہنا چاہیے
کہ اس کمپنی کا کاروبار کولمبس سے کم از کم پچیس سال پہلے پورے زورون پر تھا، اور ایسی نامی کمپنیان

آنا فانا ظہور مین نہین آجایا کرتین، بلکہ اُس کے معراجِ ترقی سے عرصہ پہلے کاروبار شروع ہوا ہوگا،

یہ مسلمہ امر ہے، کہ انگوٹ برادران سے ایک مدت پہلے ڈیپی کے جہازران ساحلِ گنی سے واقف تھے اور ڈیپی والون کا اس ساحل سے تعارف پرتگال والون کی اس سرکاری دریافت سے جو ۱۴۱۹ء مین ہوئی بہت پہلے کا تھا،

جافرل (Gaffarel) کی تحریر کے مطابق ایک فرانسیسی جین کزن (Jean Cousin) نامی ۱۴۸۸ء مین برازیل گیا، اور وہان سے راس امید (گڈھوپ) کے راستہ سے واپس آیا، اس سفر مین اس کا کوئی نقصان جان نہین ہوا، اس زمانہ کے اور بیانات سے جافرل کی تصدیق ہوتی ہے ممکن ہے، کزن کا برازیل جانا اتفاقیہ ہو، اس زمانہ مین ماہر جہازرانون کے پاس مقناطیسی کمپاس وغیرہ آلات ہوتے تھے، جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کرلیتے تھے، کزن کے زمانہ مین افریقہ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے، جزائرِ کینری (Canary Islands) کی دریافت ان خطرات سے بچنے کے لیے نہایت ضروری تھی، صرف تجربہ اور عادت کی بنا پر جہازران جزائرِ کینری سے مغرب کی جانب چل نکلتے تھے، اچھی خاصی دور جاکر جنوب کی سمت مڑتے تھے، تجربہ اور عرض بلد کے علم سے ان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ سونا پیدا کرنے والے ساحل کے بالمقابل پہونچ گئے ہین، وہان سے سیدھے مشرق کی جانب چلے جاتے تھے، افریقہ کے سب سے مغربی اور امریکہ کے سب سے مشرقی نقاط کے درمیان صرف ۱۵ سو میل کا فاصلہ ہے، ان دونون کے درمیان خلیجی رو (Gulf Stream) جسکا اس وقت کسی کو علم نہین تھا، پہلے شمالاً بعد مین غرباً بہتی ہے، ممکن ہوسکتا ہے، کہ کزن جیسا جہازران اس کے چکر مین پھنس کر رَو کے ساتھ ہی بہ نکلا ہو،

اس تمام واقعہ کی تفصیل اور برازیل کی دریافت نہایت دلچسپ ہوگی، لیکن کزن کے واپس

آنے کی رپورٹ ان سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے، سفر پر جاتے وقت کزن اپنے ساتھ ہسپانوی نسل کے ایک ماہر جہازران پنزن (PINZON) نامی کو اپنے ساتھ لے گیا، پنزن کا کولمبس کے سلسلہ مین یاد رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوجائیگا، اس سفر کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ واپسی سفر مین ایک موقع پر سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کو تھا، اور ساحلِ افریقہ کے ساتھ ساتھ خوراک اور پانی لینے کی خاطر ایسے باشندون سے جن کے متعلق پہلے کوئی حالات معلوم نہین تھے ٹکرانا پڑا، اس کام پر پنزن کی تعیناتی ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنزن نہایت دلیر انسان تھا، لیکن ساتھ ہی تیز مزاج بھی تھا، یا تو خوراک بالکل ملتی ہی نہین تھی، یا اس کی تیزی اس پر غالب آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دیسی باشندون کے ساتھ جھگڑا ہوگیا، جسپر پنزن نے گولی چلانے کا حکم دیا، اور دیسی باشندون کو جنگل مین بھگا دیا، جہاز مین واپس آنے پر کپتان نے یہ حال سن کر پنزن کو زجر و توبیخ کی، کیونکہ ایسے واقعات تجارت کے فروغ مین حائل ہوتے ہین، اور جو لوگ سونا اور ہاتھی دانت بیچنے کے لیے آئے ہین اُن پر گولی برسانا بہت ہی ناواجب ہے، چنانچہ ڈیپی آکر کزن نے پنزن کے برخلاف باقاعدہ شکایت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ پنزن کا لائسنس ضبط ہوگیا، ڈیپی سے کسی جہاز کے ساتھ اُسکو جانے کی اجازت نہ رہی، اور اسکو باعلان فرانسیسی بحری ملازمت سے علیحدہ کیا گیا، یہ صاف ظاہر ہے کہ اس سلوک سے اس کی تیز مزاجی مین کمی کیا ہوئی ہوگی، اور اُسے مجبوراً پیادہ براستہ پرینیز اسپین واپس آنا پڑا،

پنزن کی تیز مزاجی ایک معمولی امر معلوم ہوگا، لیکن کولمبس کے برخلاف جو مواد جمع ہو رہا ہے اس مین اس کا نہایت ضروری حصہ ہے، امریکہ کے پہلے سفر مین کولمبس اسی نام کے تین بھائیون کو ساتھ لے گیا، اور تینون تجارتی مال مین حصہ دار تھے، کاغذات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مین سے ایک کو تین جہازون مین سے ایک کا کپتان بنانے کے قابل سمجھا گیا، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ

امیر البحر اس کپتان پنزن سے ہر معاملہ مین مشورہ لیتا تھا، پہلے سفر کے بیان مین کولمبس خود اس امر کی شہادت مہیا کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ سب عملہ اس بات سے ناراض اور ہراسان تھے، کہ پنزن جہاز کو متواتر جنوب کی طرف لیے جا رہا تھا، جنوب کی طرف وہی برازیل کا ملک تھا، جہان پنزن پہلے بھی ہو آیا تھا، اس کے علاوہ اس کپتان پنزن اور کزن کے نائٹ کے ایک ہونے کی ایک اور شہادت بھی ہے، کولمبس بھی اس کی تیز مزاجی کی شکایت کرتا ہے،

آخرکار جب کولمبس ساحل پر پہنچا، تو مسٹر پنزن بلا اجازت اور شاید صریح احکام کی خلاف ورزی کرکے اپنے جہاز کو لیکر جنوب کی طرف چلا گیا، اور تین ہفتے اس کی کوئی خبر نہ ملی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برازیل کے متعلق اپنی پوری تسلی کرنا چاہتا تھا، اتفاق سے کولمبس کیوبا (Cuba) کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہوا پنزن سے مل گیا،

یہ واضح رہے کہ کولمبس کی امریکہ کی دریافت کے برخلاف صرف پنزن کی تیز مزاجی ہی ایک شہادت نہین، خواہ پنزن نے کولمبس کی رہبری کی ہو یا نہ، اب یہ خوب اچھی طرح سے معلوم ہے، کہ کولمبس کو علم تھا کہ وہ کہان جا رہا ہے، اور اس کو کون سا ملک دریافت کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے لوگ وہان جا چکے تھے، اور کولمبس اس سے نا آشنا نہین ہوا تھا، اور یہ سب شہادتین کولمبس کی اپنی تحریرون سے ملتی ہین،

کولمبس کے پہلے نقشے

۱۴۹۲ع سے کئی سال پہلے سے یورپ مین نئے ملکون کی دریافت کے متعلق افواہین گرم تھین، اور کولمبس بے وقوف نہین تھا، کہ اُسے ان افواہون کا علم نہ ہوتا، ایک دفعہ کولمبس مڈیرا (Madeira) گیا، جہان اس کی محنت اور تیمارداری سے ایک بیمار جہازران جان بر ہوا، اس شخص کے پاس اپنی شکرگذاری کے اظہار کے لیے کوئی چیز نہین تھی سوا ایک نقشے کے جو اس نے تحفہ کے طور پر کولمبس کو دیا، اس نقشہ پر جزائر غرب الہند اچھی خاصی طرح دکھائے

ہوئے تھے، یہی نقشہ یا اس کی نقل یا اس زمانہ کا ایک اور نقشہ جس پر جزائر غرب الہند اور ایک اور جزیرہ جو یقیناً نیو فونڈلینڈ ہوگا، دکھائے گئے ہین، حال ہی مین ایم ڈی لا رونکیر (M. de la Roncière) کو ملے ہین، اور رونکیر کے تشریحی نوٹ کے ساتھ کیمپیون (Campion) نے اسے شائع بھی کر دیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ مع رنگین تصاویر کے عنقریب شائع ہو جائیگا،

جن لوگون نے اس نقشہ اور اس سے پہلے زمانہ کے نقشہ پر عرق ریزی کی ہے، ان مین سے ببکوک (Babcock) کا پایہ بہت بلند ہے، اس کی رائے یہ ہے،

(۱) آئرلینڈ کے باشندے سویڈن اور ناروے والون سے بھی پہلے نیو فونڈلینڈ پہونچے،

(۲) آئس لینڈ کے باشندون نے ۵۵ع کے قریب امریکہ دریافت کیا،

(۳) ۱۳۶۷ع سے پہلے کسی سال برٹین (Breton) سے ایک مہم امریکہ کے ساحل تک گئی،

(۴) ۱۴۳۵ع تک اسپین پرتگال کا کوئی جہاز کیوبا کے ساحل تک پہنچ چکا تھا،

(۵) اور جہازران راس ورڈی (Cape Verde) سے جنوبی امریکہ ۱۴۴۳ع مین گئے،

کولمبس کے زمانہ مین بحر اوقیانوس کی جہازرانی پردۂ راز سے نکل کر نہ صرف بادشاہون کے علم و توجہ مین آ چکی تھی، بلکہ بادشاہون نے اس کی سرپرستی بھی شروع کر دی تھی، پرتگال کے بادشاہ کو اس امر مین اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ تمام یورپ مین اسے ہنری جہازران کہا جاتا تھا، اس نے کولمبس کی مہم کی تیاری مین مدد کے طور پر کوئی روپیہ نہین دیا، بلکہ اس نے یہ کہا کہ اسے اس زمین کے متعلق سب حالات معلوم ہین، اور وہ اس کی ملکیت ہے،

امریکہ کے متعلق اسوقت سے پہلے علم کی کولمبس کسی حد تک خود شہادت دیتا ہے، تیسرے سفر سے واپس آنے کے بعد وہ بیان کرتا ہے، اُسے وہان حبشی باشندون سے سابقہ پڑا بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے، کہ وہان کے اصلی باشندون نے اسے سونے کے ٹکڑے (Guanin) دیے، چنانچہ

سونے کے سکے اس تمام کہانی مین حبشیون سے بھی زیادہ دلچسپی پیدا کردیتے ہین، گوئنینس (Guanin)
اس وقت کی افریقہ کی زبان مین سونے کے ٹکڑون کو کہتے تھے، جن کی شکل مین سونا ساحل گنی سے
یورپ مین لایا جاتا تھا، قدرتی طور پر یہی ٹکڑے دیکھ کر کولمبس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ حقیقت الامر
یہ ہے، کہ کولمبس نئے ملک دریافت کرنے نہین گیا تھا، بلکہ اس کا منتہائے نظر بھی سونا، ہاتھی دانت اور
قیمتی مال تھا، جو کہ وطن مین منافع پر بیچا جا سکتا تھا، نئے ملکون کی دریافت ایک اتفاقی امر تھا، کولمبس
نے امریکہ کے باشندون سے دریافت کیا، کہ انھون نے وہ سونا کہان سے لیا، اُن کے جواب سے کولمبس
خوش ہوا ہوگا، کیونکہ اس کے اپنے بیان کے مطابق اُن کا جواب یہ تھا:-

"ہم نے یہ سونا کالے سوداگرون سے لیا ہے، جو کہ جنوب مشرق سے یہان آئے تھے"، کولمبس کو
یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ لوگ سونے کا اصلی منبع بتانے سے گریز کرتے ہین، چنانچہ تیسرے سفر مین اس نے
اپنے سوال کو دہرایا اور پھر وہی جواب ملا، بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ انڈین کا جواب درست
تھا ابتدائی گوئنینس (Guanin) جو فرانسیسی اور پرتگالی ساحل گنی سے لاتے تھے خالص
سونے کے نہین ہوتے تھے، وجہ یہ تھی کہ افریقہ کے اصلی باشندون کے خیال مین خالص سونا ایک
نکمی چیز تھی، وہ سونے کو صرف زیور کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور اس مطلب کیلیئے بھی سونا بیکار [illegible]
کیونکہ اسمین کوئی چمک دمک نہین تھی، یہ نقص رفع کرنے کے لیے وہ اس مین ہموزن تانبا ملا دیتے تھے، جب
کولمبس کی لائی ہوئی گوئنینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا، تو ان مین سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا
جو گنی کے ساحل سے لائے ہوئے گوئنینس مین تھا،

چنانچہ امریکہ کے اصلی باشندون نے کولمبس کے سامنے کوئی غلط بیانی نہین کی تھی، امریکہ کی
گوئنینس در اصل افریقہ سے ہی آئی تھین ایسے ہی حبشی بھی جو کہ کولمبس کو وہان ملے افریقہ سے آئے
ہونگے، سونا بھی اُن کے معتقدین کے ساتھ آیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ امریکہ مین افریقہ سے حبشی کیسے

پہونچ گئے، حبشیون کی کہانی جلد ختم ہوجائیگی، اور اگر اُن کے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا ہے درست ہو تو
اُن کے ساتھ ہی کولمبس کی دریافت کا قصہ بھی ختم ہوجاتا ہے،

جہازون کے کپتانون کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ حبشیون کی موجودگی ضروری تھی، کیونکہ
انھین بطور ترجمان استعمال کیا جاتا تھا، اور وہ طریقہ جس سے وہ اس کام کے اہل قرار دیے گئے
بہت دلچسپ ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ڈیپی سے ایک جہاز کا کپتان ہاتھی دانت اور سونے کی
تلاش مین افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، کسی بندرگاہ پر جاکر اسے معلوم ہوتا ہے کہ مال کافی
تعداد مین موجود نہین، وہان وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ اور آگے نکل جاتا ہے، اور جہاز
بھر لیتا ہے، واپسی پھر ان بندرگاہون پر ٹھہرتا ہے، جن سے پہلے کافی مال نہین ملا تھا، دور اندیش
کپتان ایسی بندرگاہون مین جہان سے کافی مال نہ ملا ہو، اپنے کسی آدمی کو چھوڑ جاتے تھے
تاکہ وہ مال کی فراہمی کی نگرانی کرے، اس کام کے لیے نہایت من چلے آدمیون
کی ضرورت تھی، جہاز کی غیر حاضری مین ایسے اشخاص اکثر دفعہ اپنی نئی
زندگی کو پسند کرنے لگ گئے ہون گے، اور ان کی اعلے قابلیت اور دیسی
آبادی کی نسبت ہر صیغہ مین برتری کی وجہ سے لوگ اُن کو عزت اور خوف کی نگاہون سے دیکھتے
ہون گے اور دیسی عورتین اُن سے شادی کرنے مین عار نہین سمجھتی ہون گی، جہاز کی واپسی پر
ممکن ہے، اکثر دفعہ ایسے اشخاص واپس جانا پسند ہی نہ کرتے ہون، انھین خود عیش اور عزت کی زندگی اور
کمپنی کے لیے ایک مستقل کارکن مل جاتا ہے، ڈیپی کی ترقی کے زمانہ مین افریقہ کے ایسے ایجنٹ تجارت
کے لیے نہایت ضروری ہوگئے تھے، اور اُن کی دوغلی نسل کی قدر و قیمت ان سے بھی کہین بڑھ چڑھ کر
تھی، کیونکہ ان کی اولاد دو زبانون اور دو قسم کی صنعت کاری سے واقف تھی، افریقہ کے سب علوم
کے ساتھ انھین پوری واقفیت تھی اور اپنے سفید باپون کی سب عیاریان سیکھ جاتے تھے، ڈیپی کے

سوداگرون نے اپنی دوغلی نسل کی قدر بہت جلدی پہچانی، اور نہ صرف انھون نے انکی دونسلی قابلیت سے بحیثیت ترجمان فائدہ اٹھانا شروع کیا، بلکہ ان کی نسل کشی کی طرف بھی خاص توجہ دی، اور انھیں غلام بناکر رکھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ دوغلی نسل بحیثیت ترجمان ایک علحدہ جماعت بن گئی اور اُن کے پیشہ کو کچھ عزت بھی حاصل ہو گئی، کوئی جہاز ران اُن کے بغیر سفر نہین کرتا تھا اور کولمبس بھی ان مین سے چند ایک کو پہلے سفر مین ساتھ لے گیا، تاکہ مختلف مقامات پر تجارت کو فروغ دینے کے لیے انھین چھوڑتا جائے، امریکہ جاکر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی پہلے بھی موجود تھے، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب مشرق کے سیاہ سوداگر کہا جا چکا ہے، اُنھین کے ساتھ امریکہ مین گوئینس گئے، اور انھین کے ساتھ عربی الفاظ، عربی پودے، اور عربی تہذیب وہان پہنچی، امریکن انڈین کی زبان مین عربی کی ملاوٹ سے وینر کو بہت زیادہ استعجاب ہوا، اب ماہران آثار قدیمہ محققان السنہ کے ساتھ مل گئے ہین، اور دونون گروہون نے ثابت کر دیا ہے کہ امریکہ مین عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا، اور بیچارے کولمبس کی امریکہ کے دریافت کے سلسلہ مین کوئی حیثیت باقی نہین رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا عربی اور افریقی تہذیب کے بہت حد تک زیر اثر رہ چکی ہے اور بحیرۂ اوقیانوس مین جہاز رانی بہت زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے، ازتک (Aztec) اور مائن (Mayan) تہذیبین دراصل امریکہ مین افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلین تھین، اور اُن کا زمانہ سنہ ۱۱۵۰ع سے سنہ ۱۲۰۰ع تک قرار دیا جاتا ہے گو اس سے پہلے ان تہذیبون کا زمانہ اس سے بہت پہلے خیال کیا جاتا رہا ہے، یہی وقت ہو گا جب بحر اوقیانوس کو عبور کرکے لوگ امریکہ مین داخل ہوئے، لفظ ٹولٹک (Toltec) اس خیال کی تائید کرتا ہے، ابتدا مین اس کے معنی کسی جماعت یا قوم اور اُن کی تہذیب لیے جاتے رہے ہین لیکن وینر اور سپنڈن نے (Weiner and Spinden) جو مائن تہذیب کا ایک ماہر خیال کیا جاتا ہے، یہ معلوم کیا ہے کہ دراصل یہ لفظ افریقہ کی ابتدائی زبان مین کسی بڑے سردار کے معنون مین استعمال کیا جاتا تھا،

اور امریکہ کا ٹولٹاک کوئی بڑا بادشاہ ہوا ہے جسکو سنہ ۱۱۹۰ع کے قریب عروج ہوا تھا، سپنڈن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مائن تہذیب ازتک کے بعد مین آئی نہ کہ اس سے پہلے، مائن تہذیب کے کتبے پڑھنے مین اس لیے دقت پیش آتی ہے کہ وہ دراصل ازتک علوم کا جو کہ اس وقت ناپید ہو چکے تھے، بطریق مختصر نویسی خلاصہ ہے، مائن نقاشی مین شامی اشکال پائی جاتی ہین اور مائن یادگارون کی شکل غباری ہے، نئے امکانات اور نئی تحقیقات کے مطابق ان سب کے نئے ہی معنی نکلتے ہین، جسکو علم السنہ سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے،

عربی تہذیب نوین صدی مین اپنے معراج پر تھی، اور سنہ ۱۱۰۰ع مین صحرائے اعظم کو عبور کرکے افریقہ کے مغربی ساحل پر منڈینگو (Mindingo) کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل مین امریکہ کا صوبہ مچوکن (Michoucan) تھا۔ جو خلیج میکسکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ کی ملاوٹ سب سے پہلے مچوکن مین پائی جاتی ہے، اور وہی الفاظ منڈینگو کی زبان مین ملتے ہین، اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہین جو ایک تجارتی کارندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے، مثلاً جادو، اودیہ، مذہب اور نظام حکومت کے متعلق یہ نتیجہ کہ منڈینگو اور مچوکن کے درمیان آمد و رفت بھی لابدی ہے، ہر طرح سے تازہ تحقیقات اس کی تائید کرتی ہے، ازتک اور مائن تہذیبون کا یک لخت انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح سے نوخیز تہذیبین تھین، جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا، ان مین تنزل آنا شروع ہو گیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تعلق تھا، اس بات سے ثابت ہوتا ہے، کہ عربی تہذیب کا اثر مچوکن مین داخل ہو کر صرف تجارتی راستون کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خالص عربی تہذیب کا اثر تھا، کیونکہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ کے عربون نے غیر معمولی طور پر ترقی کی تھی، یورپ اُسی وقت قعر ضلالت مین غرق تھا اور شارلمین ابھی تک ابجد خوانی مین محو تھا، جو اس سے کبھی ختم نہ ہوئی،

یہ بات کہ سب سے پہلے امریکہ کون گیا، شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس دریافت کا سہرا کولمبس کے سر نہیں، بلکہ اس سے کئی سو سال پہلے کسی عرب جہازران کے سر ہوگا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت مسیح سے پہلے ہی اوقیانوس عبور ہو چکا ہو، فونیشیا کے جہازران انگلستان سے قلعی لینے جایا کرتے تھے، وہ بھی مسیح سے پہلے افریقہ کے گرد چکر لگا چکے تھے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے اصلی باشندون مین سے ایک گروہ سوئڈن ناروے کی نسل سے ملتا جلتا ہے،

اگر یہ سب باتین درست ہین، اور یاد رہے، کہ زمانہ گذشتہ کے جہازرانی کی کہانی محض بیہودہ گوئی نہین جسکو محض شرارت کی بنا پر سائنس کا نام دے دیا گیا ہے، بلکہ اس کے متعلق واقفیت اور نتائج سالون کی محنت شاقہ کا ثمرہ ہین، تو کولمبس کی کوئی حیثیت باقی نہین رہ جاتی، اور اس مین کوئی مضائقہ بھی نہین اس نے امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن اس کی ہمت سے امریکہ کے متعلق علم عام ہو گیا، اور دوسرے پہلو سے اسی کی شہرت ویسی کی ویسی ہی قائم رہ جاتی ہے، اس نے بادشاہون کو تجارت کا شوق دلا اور موجودہ تجارت کی بنا ڈالی، کسی چیز کو شہرت دینے کے کئی طریقے ہو سکتے ہین، اس نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا اور وہ اس مین خوب کامیاب ہوا،

ہندوستان کی معاشی حالت

پر

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر

از مولوی ابوالخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ

(۲)

کمپنی کے پانچ دور

یہ کمپنی کی تدریجی ترقی کا اجمالی تبصرہ تھا جس سے آپ کو اس بات کا ایک سرسری اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کمپنی نے کس طرح ایک تاجر جماعت کی حیثیت سے بروز کیا، کس طرح تجارت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کے لیے فوجی قوتین بہم کین، کس طرح اپنی مختصر قوت سے زبردست حریفون کا مقابلہ کرکے ان کو نیچا دکھایا، کس طرح ہندوستان کی صحیح صورتِ حال کو سمجھ کر دیسی قوتون سے ٹکرائی، اور ملک گیری کا کام شروع کرکے ایک صدی کے اندر اندر ہندوستان کی مالک بن گئی، فلسفۂ تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان ڈھائی صدیون کے واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی اس مدت مین اپنی تاریخ کے پانچ دورون سے گذری ہے، یہ پانچ دور مع اپنے نمایان واقعات کے حسب ذیل ہین،

پہلا دور ۱۶۰۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۵۷ء پر ختم ہوتا ہے، اس مین کمپنی اپنی تجارت اور اُسکی برتری کے لیے کوشش کرتی ہے، اور بالآخر اپنے یوروپین رقیبون کو شکست دے کر بحرِ ہند کی تنہا مالک بن جاتی ہے،

دوسرا دور ۱۷۵۷ء سے شروع ہو کر ۱۷۸۴ء پر ختم ہوتا ہے، یہ کلایو اور وارن ہسٹنگز کے جنگی اقدامات اور سیاسی دسائس کا زمانہ ہے، تاجرون کی ایک کمزور جماعت کو زبردست قوت بنا دینا

اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

تیسرا دور ۱۷۷۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۸ء پر ختم ہوتا ہے، اس کے ہیرو کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہسٹنگز ہیں، اس زمانہ میں کمپنی کا تجارتی اور سیاسی تفوق ایک مسلمہ واقعہ ہو چکا تھا، ٹیپو کی فتح، مرہٹوں کا استیصال، مہاراشٹر کا الحاق، بھونسلا کا انجام اس دور کے اہم واقعات ہیں جنھوں نے کمپنی بہادر کو ہندوستان کی شاہی قوت بنا دیا،

چوتھا دور ۱۸۱۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۶ء پر ختم ہوتا ہے، یہ امن و صلح، نظم و نسق، اصلاح و اقتصاد کا عہد ہے، منرو، الفنسٹن اور بنٹنگ اس کے درخشندہ ستارے ہیں، اور اس بہتر سے بہتر نظام ملکی کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس کی ایک تاجر گورنمنٹ سے توقع کی جا سکتی ہے، اس عہد کا آخری واقعہ انگلستان کے تخت پر ملکہ وکٹوریہ کا جلوہ گر ہونا اور لارڈ آکلینڈ کا گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آنا ہے،

پانچوان دور ۱۸۳۶ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۸ء پر ختم ہوتا ہے، اور ہندوستان کی قسمت کو تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ کر جاتا ہے، یہ وہ دور ہے جس میں ہندوستان نے ایک غیر ملکی طاقت کو اپنے اوپر مسلط ہوتا دیکھ کر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہا، مگر خود اس کے فرزندوں نے اسے ایک نامعلوم مدت کے لیے غلامی کی بیڑیاں پہننے پر مجبور کر دیا، یہ کمپنی گورنمنٹ کی تاریخ میں پے در پے غلطیوں، حریصانہ کوششوں اور غیر معمولی لوٹ کا ظالمانہ دور ہے، اس کے ہیرو آکلینڈ، ڈلہوزی اور لارڈ لارنس ہیں،

اس صحبت کی گفتگو کا موضوع صرف آخر الذکر چار دوروں کی تاریخ کا مطالعہ ہے، جس میں ہندوستان کی معاشی تباہی کے خونیں واقعات ہیں، پہلا دور خارج از بحث ہے، اس کو ہندوستان کے معاشی مستقبل کی تباہی سے بلا واسطہ کوئی تعلق نہیں ہے، اور اگر ہے تو صرف اتنا ہے جتنا ایک ڈاکٹر کو کسی مریض کی موت سے ہوتا ہے،

اٹھارہوین صدی سے پہلے | لیکن کمپنی کے تباہ کن اثرات کے صحیح اندازہ کے لیے اٹھارہوین صدی سے پہلے کے

ہندوستان کو دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت اس کی کیا حالت تھی، کیونکہ کسی موثر کے اثرات پوری طرح اسی وقت معلوم ہو سکتے ہیں، جب متاثر کی پیش از تاثر حالت پوری طرح معلوم ہو بغیر اس کے اثر کی نوعیت و کمیت پوری طرح متحقق نہیں ہو سکتی،

اکبر اور شاہجہان کے وقتوں کا تو ذکر ہی نہیں کہ یہ زمانے ہندوستان کی ایسی خوش حالی کے تھے جن کو معاشیات کے صحیح نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو آج ان کی نظیر دنیائے مغرب کے خوشحال ترین ملکوں میں نہیں مل سکتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمپنی گورنمنٹ کے عہد سے وہ وقت بھی بدرجہا بہتر تھا جب حکومت کی باگ اورنگ زیب کے نااہل جانشینوں کے ہاتھ میں تھی، اور جب کسی مستقل نظام حکومت کے نہ ہونے سے سارے ملک پر بدامنیوں، خانہ جنگیوں، طوائف الملوکیوں کا راج تھا، صنعتیں برباد ہو رہی تھیں، اہل ہنر کا کوئی قدردان نہ تھا، لوگ خوش حالی کو ترسنے لگے تھے، اگلے وقتوں کو یاد کر کے روتے تھے، تاہم اس تباہی بخش و پر از اضطراب زمانہ میں بھی ہر قسم کی صنعتی پیداوار کی اتنی کثرت تھی کہ نہ صرف گھر کی ضروریات ہی پوری ہوتی تھیں، بلکہ باہر کی ضرورتیں بھی یہیں سے پوری ہوتی تھیں، لاہور، کشمیر، برہان پور، پٹن، سنارگاؤں، آگرہ، فتحپور، بنارس، ست گاؤں، تنجور، ٹانڈا، کرناٹک، والورد، چیتا پٹم، بنگلور، کولار، سلاگوٹا، سیرا، پٹنہ، شاہ آباد، بھاگلپور، گیا، گورکھپور، دیناج پور، پرنیا، صنعتوں کے گھر اور تجارتوں کے مرکز تھے، جہاں سے دور دراز ملکوں کے تاجر لاکھوں کا سامان خرید کرلے جاتے تھے،

قاسم بازار، بنگال کا ایک معمولی تجارتی مرکز تھا، مگر وہان بھی اتنی بکری تھی کہ ۲۲ لاکھ پونڈ سالانہ صرف ریشمی کپڑے کی برآمد تھی، ۱۷۵۳ء میں جب ہسٹنگز معمولی کلرک کی حیثیت سے کمپنی کی کوٹھی میں ملازم ہو کر یہان آیا تو اس نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ "پوری بستی ریشم اور ہاتھی دانت کا کام کرنے والوں سے آباد ہے . . . . اور سب نہایت خوش حال ہیں" ڈھاکہ کی سب سے بڑی تجارت ململ اور چکن کی تھی، کیونکہ یہ دونوں چیزیں یہان سے اچھی کہیں اور نہ بنتی تھیں، اور صرف ان ہی دونوں کی

سالانہ برآمد دو کرور تھی جو بعد مین (۱۸۳۰ء) گھٹ کر ایک کرور رہ گئی، جس مین ۳۰ لاکھ کی چکن کا خریدار
انگلستان تھا، فرانس مین ہندوستان کے ریشمی کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اونچی ناک والے انگلستان کے
ریشمی کپڑون کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، مسٹر جوزف کا بیان ہے کہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۹ء تک صرف سات
برسون مین فرنچ تاجرون نے ہندوستانی ریشمی رومال ۹۴۴۰۰ پونڈ کے خریدے جو بازار مین جاتے ہی
ہاتھون ہاتھ نکل گئے، حالانکہ انھی سالون مین انگلستان کا کل ریشمی کپڑا فرانس مین ۱۷۹۰۰ پونڈ کا خریدا گیا،

اٹھارھوین صدی کے نصف آخر مین جب ہندوستان مین کمپنی گورنمنٹ نے اور انگلستان
مین برٹش گورنمنٹ نے دیسی صنعت و تجارت کو تباہ و برباد کردینے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا،
۱۸۱۵ء تک ہندوستان جزائر برطانیہ کی ضروریات زندگی کا چوتھا حصہ پورا کرتا تھا، اس چوتھے حصہ کا
سرسری اندازہ اس امر واقعہ سے ہوسکے گا کہ ہر سال صرف سوتی کپڑے کی ۱۵ ہزار گانٹھین کلکتہ سے
انگلستان جاتی تھین، جن مین کم و بیش ۳۰۶۰۸۹ تھان ہوتے تھے، فرانس، امریکہ، اسپین، پرتگال،
ڈنمارک، ماریشس اور سواحل خلیج فارس و ممالک عرب آخر تک ہندوستانی مال کے گرکر لینے والے
گاہک تھے، ۱۸۰۱ء تک ان ملکون کو ۱۰۸۲۲۴۸ پونڈ کا ریشمی کپڑا جاتا تھا، اور انتہا یہ ہے کہ ۱۸۱۳ء تک
باوجود سخت قیود کے خود انگلستان مین ہندوستانی کپڑے کے بکثرت خریدار موجود تھے، حالانکہ اس
زمانہ مین کمپنی کے ہاتھون یہان کی صنعت بالکل تباہ ہوچکی تھی،

صنعت سے زیادہ زراعت مین ہندوستان ضرب المثل تھا، ساری دنیا مین اس کی قدرتی
پیداوارون کی شہرت تھی، فصلین اتنی ہری بھری اور سیر حاصل ہوتی تھین کہ چھوٹے چھوٹے کھیتون کے
مالک بھی نہال رہتے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ اناج کی کوئی قیمت ہی نہ سمجھی جاتی تھی، بڑے بڑے
کنبے دس دس پانچ پانچ روپے مہینے کے اناج مین پلتے تھے، چھوٹے چھوٹے خاندانون مین دو چار کی
جنس سرآتی بانٹ دی جاتی تھی،

اقتباسات ذیل اُن بیانات کی تصدیق کرینگے جو اپنون کی من ہانی تعریفین نہین،
غیرون کے کم سے کم اعترافات ہین:-
ولیم ویری لسٹ (William Varelst) جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی گورنرون مین
تھا لکھتا ہے "بنگال کے ریشمی کپڑے اتنے اچھے ہوتے ہین کہ اپنا جواب نہین رکھتے، اسی وجہ سے دور دور
اُن کی مانگ ہے ...... اصفہان تک جاتے ہین ...... لاکھون کی نکاسی ہے"
مسٹر کارڈس نے ۱۸۳۳ء مین پارلیمنٹری سب کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ
ہندوستان کی ذہانت بعض صنعتون مین بے نظیر ہے، ململ، شال، چکن، ریشمی رومال، سونے چاندی
اور ہاتھی دانت کا کام اتنا نفیس اور لاجواب ہوتا ہے کہ برطانوی صناع اس کا مقابلہ نہین کرسکتا،
لارڈ مکالے بنارس کے ریشمی کپڑون کی تعریف مین لکھتے ہین "وہ اتنے اچھے ہوتے ہین
کہ لوگ سینٹ جیمز اور ورسلز کے رقص خانون مین انھین فخریہ پہن کر جاتے ہین"
پروفیسر لیکی لکھتے ہین "سترھوین صدی کے نصف آخر تک انگلستان مین ہندوستانی
ململ، چھینٹ اور ایک خاص قسم کے چھپے ہوے کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اس کی وجہ سے انگلستان
کے اونی اور ریشمی جلاہون کی روزی خطرے مین پڑگئی تھی،"
گریفن لکھتا ہے "باہر کے تاجر ہر سال لاکھون روپے کی شالین کشمیر اور لاہور سے لیجاتے
ہین، آگرہ کا قالین اپنی خوبیون مین ایرانی قالین سے کم نہین ہوتا، برہان پور، پٹن اور سنارگانون
کا سوتی کپڑا بہت پسند کیا جاتا ہے، خاصکر سنارگانون کی ململ اتنی اچھی، نرم اور باریک ہوتی ہے کہ
دوسری جگہ کے ریشمی کپڑون کو مات کرتی ہے"
مانٹ گمری مارٹن (Mantegomri martin) لکھتا ہے "مین نہین سمجھتا کہ ہندوستان
زراعتی ملک ہے وہ جتنا زراعتی ہے اتنا ہی صنعتی بھی ہے ...... وہ ایسا صناع ملک ہے"

جس کی صنعتیں مدتوں سے زندہ ہیں، اور جہاں کہیں اُن کو شریفانہ مقابلہ کا موقع ملا ہے وہ ہر قوم کی صنعتوں سے بہتر پائی گئی ہیں، اس سے میری مراد صرف ڈھاکہ کی ململ اور کشمیر کی شال ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تمام مصنوعات ہیں جو ہر حیثیت سے دنیا کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہیں"

سر تھامس منرو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ "اگر کسی ملک کی تہذیب سے مراد اس کا بہترین طریق زراعت اور اعلیٰ درجہ کی صنعتی ذہانت ہے تو ہندوستان ایک اعلیٰ درجہ کے مہذب یورپین ملک سے کم نہیں ہے . . . . . . وہاں کا مال یہاں آکر بہت فائدہ دیگا . . . . کیونکہ وہ بہت سستا، اچھا اور پائیدار ہوتا ہے، یہ خوبیاں یورپین مال میں نہیں ہیں"

صناعات ہند کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا آغازی جملہ ہے " جبکہ جدید صنعتوں کا وطن، مغربی یورپ۔ وحشی قبائل کا مسکن تھا، ہندوستان نہایت متمدن تھا، اور اس کی صنعتی قابلیتیں ساری دنیا میں مشہور تھیں، جب مغربی تاجروں نے پہلے پہل یہاں قدم رکھا تو اس وقت یہاں کی صنعتی حالت یورپ کی کسی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم سے کم نہ تھی" (۱۹۱۸ء)

اس صنعتی ذہانت، اس تجارتی چہل پہل، اور اس زراعتی سرسبزی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر شخص خوشحال تھا، بیکاری سے کوئی آشنا نہ تھا، مرد عورتیں، بچے بوڑھے سب کام سے لگے ہوے تھے، خالی بیٹھنا عیب سمجھا جاتا تھا، ہر چیز ارزان تھی، بازار بہترین ملکی مصنوعات سے پٹے پڑے تھے، اور کہیں ڈھونڈھے سے بھی باہر کی چیزیں نہ ملتی تھیں، منڈیوں میں غیر ملکی تاجروں کے گماشتوں کا میلا لگا رہتا تھا، کسان دولتمند تھے، افراد کی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، اجتماعی دولت بے اندازہ تھی، ڈاکٹر رد برٹسن لکھتا ہے "ایک خوشحال زندگی کے لیے جتنے بے نیاز ہندوستانی ہیں، شاید روے زمین پر کہیں اور کے باشندے نہ ہوں گے، معتدل آب وہوا، زرخیز زمین، اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مفید ذہانت، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ جس بات کی خواہش کرتے انھیں مل جاتی . . . . . دور دور کی دولت یہاں بھی چلی آتی تھی اور اس کے بدلے یہاں کی صنعتی پیداوار پہنچ جاتی ہیں"۔

۱۸۲۵ء کے ایسٹ انڈیا گزٹ میں والٹر ہملٹن نے (نیم سرکاری حیثیت سے) لکھا تھا "جعفر خان اور شجاعت خان کی چہل سالہ گورنری میں بنگال نہایت سرسبز و شاداب تھا، دہلی کی مرکزی حکومت کو ایک کرور سالانہ خراج بھیجا جاتا تھا، مگر لوگوں کو ٹیکس ذرا بھی گراں نہ ہوتے تھے، زمیندار اتنے مالدار تھے کہ علی وردی خان کو غصب حکومت کے بعد، ایک کرور کا نذرانہ دیا، اور جب مرہٹوں کی مدافعت کیلیے روپے کی ضرورت ہوئی تو فوراً پچاس لاکھ روپیہ جمع کردیا"

کلائیو جب پہلے پہل مرشد آباد گیا تو وہاں کی دولت و ثروت کو دیکھ کر حیران رہ گیا لکھتا ہے: "یہ شہر لندن کے برابر وسیع آباد اور دولتمند ہے، مگر فرق یہ ہے کہ یہاں عام آبادی کی دولت اتنی ہے جتنی وہاں شاید خاص آبادی کی بھی نہو"

جارج اسمتھ نے مدراس کی دولتمندی کے متعلق ہاؤس آف کامنز سب کمیٹی کے سامنے کہا کہ: "جب میں وہاں گیا تو وہ نہایت خوشحال اور ہندوستان کے بہترین مقامات میں سے تھا . . . . کرناٹک کا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب آباد و پر ثروت اور تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا، آبادی کی عام حالت بہت اچھی تھی" (۱۷۶۶ء)

منجور کی دولت کے متعلق مسٹر پیٹری نے اس کمیٹی کے سامنے کہا کہ "یہ علاقہ اندرونی و بیرونی تجارت کا مرکز تھا، بنگال سے ریشم، بمبئی اور سورت سے روئی، سماٹرا اور ملاکا وغیرہ مشرقی جزائر سے سنکلو اور مسالے، پیگو سے سونا، گھوڑے، ہاتی، تھیتر اور چین سے مختلف چیزوں کی درآمد تھی، اور اُن کے بدلے یہاں سے ململ، چھینٹ، رومال، ڈوریا، دھوتیاں اور ایک خاص قسم کا چھپا ہوا کپڑا، اور اسی قسم کی دوسری چیزیں افریقہ، امریکہ (جنوبی) اور جزائر غرب الہند تک جاتی تھیں . . . . زراعت کی حالت

بہت اچھی تھی، کوئی کھیت آب پاشی سے محروم نہ تھا، نہرین، تالاب اور کنوئین اس کثرت سے تھے
کہ زمین کا ایک ایک چپہ سیراب تھا، مین سمجھتا ہون کہ شاید اس زمانہ مین ہندوستان کا کوئی حصہ
ایسا شاداب نہ ہو گا"

اسی لیے ایک دنیا اپنے کاشانۂ "امن و راحت" پر اس خانہ جنگیون کے گھر کو ترجیح دیتی تھی اگر ان مین
ایک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تھی، ورنہ "بہترین فائدے اور بکثرت دولت" کے متلاشیون کو کیا پڑی تھی
کہ یہان آتے اور اس کے سدھارنے کے لیے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے؟ ایف جی شور لکھتا ہے:

"ہماری حکومت کا مقصد ہر ممکن طریقہ سے ہندوستان کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا، اور اس کو حد سے زیادہ
محصولون کے بوجھ کے نیچے دبا دینا ہے، ہمارے بھائی انگلستان سے صرف اس لیے یہان آتے ہین کہ
یہان سے بہت سا روپیہ لیکر جائین، اور اسی لیے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی
والیان ریاست کے مقابلہ مین بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہین"

بروکس آدم لکھتا ہے "دولت مند ہندوستان کی بے شمار دولت نے ایک طرف ہمارے
نقدی سرمایہ مین غیر متوقع اضافہ کردیا اور دوسری طرف اہل ہنر کی ہمتین بڑھا کر ترقی کی رفتار تیز کردی
جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی لوٹ لندن پہنچنی شروع ہو گئی اور اس نے فوراً اپنا اثر دکھایا۔۔۔
انیسوین صدی کو جس حرفتی انقلاب نے اپنے ماقبل سے جدا کردیا، وہ ۱۷۶۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ
پلاسی کی جنگ ختم ہو چکی تھی، یہ انقلاب جتنی تیزی سے ہوا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔۔۔ شاید اس دنیا مین
آج تک کسی قوم کو کسی کام نے اتنا فائدہ نہین پہنچایا جتنا فائدہ انگلستان کو ہندوستان کی دولتمندی
نے پہونچایا ہے"

اس دولتمندی کی کیا مقدار تھی؟ ولیم ڈگبی لکھتا ہے اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے، لیکن گمان غالب ہے
کہ وہ رقم جو پلاسی اور واٹرلو کے معرکون کے درمیان ہندوستان سے انگلستان کے بنکون مین منتقل ہوئی،

۵ کرور پونڈ یا ایک ارب پونڈ سے کم نہ تھی،

تمام شریف اور ایماندار انگریز، ہندوستان کے اس احسان کو مانتے ہین، سر جارج برڈوڈ
(Georgi Bardood) نے لکھا ہے "ہم تا ابد ہندوستان کے ممنون رہین گے۔۔۔۔۔۔۔۔
اس نے کرۂ ارض کے ان جزیرون (انگلینڈ) کو جو جزائر جاپان کی طرح غیر معروف تھے، گمنامی کے پردہ سے نکالکر
دنیا کی عظیم ترین سلطنت بنادیا"

کمپنی کا تباہ کن اثر

لیکن کمپنی گورنمنٹ کے آتے ہی یہ ہوا بالکل بدل گئی، اہل حرفہ کے گلے گھونٹ دیے
گئے، صنعتین بیٹھ گئین، تجارت کی کساد بازاری ہو گئی، زراعت پر اوس پڑ گئی، کسانون پر عرصۂ زندگی
تنگ ہو گیا، زرعی و صنعتی روح بیدردی سے کچل ڈالی گئی، اور ظالم خود غرضون نے اس غریب کو ضروریات
کی ایک ایک چیز سے محتاج کرکے اپنے ملک کی فلاح کے لیے خام پیداوار کی ایک ایسی قحط زدہ منڈی
بنادیا کہ "تنہا زرعی ملک" کا جفاکش کسان آج دنیا مین سب سے زیادہ محنتی ہونے کے باوجود سب سے
زیادہ مفلس ہے، اور انتہا یہ ہے کہ غریب اپنے اس خرمن کے کم از کم فوائد سے بھی محروم ہے، جسے وہ اپنے
خون سے سینچتا ہے،

اتنے جلدی ایسا عظیم الشان انقلاب کیسے ہو گیا؟ اس کا جواب غارت گرون کی جماعت کے
نیک دل افسرون کی زبان سے سنیئے "مسٹر ہنری اسٹرچی نے ۱۸۱۳ء مین کورٹ آف ڈائرکٹرز
کے سامنے جواب دیتے ہوے کہا کہ "بنگال کی تجارت کا ایک بڑا حصہ پچاس برس سے بالکل یورپین
ہاتھون مین ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ مزدورون اور کاریگرون کو نہایت قلیل اجرت پر کام کرنے
پر مجبور کیا جاتا ہے، وہ بات بات پر مارے اور باندھے جاتے ہین"

اسی سنہ مین سر تھامس مونرو نے دار العوام کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ "جلاہون کو
زبردستی کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، انھین کمپنی کے کارندے قید کرکے ان پر

سپاہی مسلط کر دیتے ہیں۔ ...... اگر کام میں دیر ہو جاتی ہے تو ان پر مقدمہ چلایا جاتا ہے"

سر چارلس ٹریوین (Charles Trivalean) نے ۱۸۴۰ء میں دارالعوام میں

سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ڈھاکہ، جو کسی زمانہ میں ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کا ایک

سا پُر رونق شہر تھا، اب ۳۰، ۴۰ ہزار نفوس کا بدحال قصبہ ہے، پہلے وہاں تنّس اور چکن بنانے والے رہتے

اب وہ رہتے ہیں جو افلاس اور ملیریا کا شکار ہیں"

ولیم بولٹس اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا ہے "ملک کی اندرونی تجارت ظلم و جور کا افسوسناک

منظر پیش کرتی ہے اُس کے مسموم اثرات کو ہر جلاہا محسوس کر رہا ہے، ملک میں جتنا مال تیار ہوتا ہے سب

کمپنی کا اجارہ ہے، کمپنی کے کارندے خود ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس کو کتنا مال تیار کرنا چاہیے اور

یہ بھی کہ اُس کے معاوضہ میں وہ کتنی اجرت پانے کا مستحق ہے، اگر وہ اس اجرت پر کام نہیں کرتا تو اسے

سے مارا جاتا ہے اور قید کر دیا جاتا ہے، ...... یہ لوگ عموماً ۱۵ فی صدی اور کبھی کبھی ۴۰ فیصدی

مقرر کرتے ہیں اور پھر اُن غریبوں کو اتنی اجازت بھی نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسرے کا مال تیار کریں

کم از کم اپنی ضروریات ہی کو پورا کریں، اگر وہ کسی وجہ سے کمپنی کا کام کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ان کا مال

ضبط کر کے نیلام کر دیا جاتا ہے"

مانٹ گمری مارٹن لکھتا ہے "ہندوستان کی تجارت کو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام ممالک خارجہ کے

ساتھ بڑی بے انصافی سے بند کیا گیا ہے ...... ہم نے ایک چوتھائی صدی میں ہندوستان کو

اس کی صنعتیں مٹا کر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہماری مصنوعات خریدے، ہم اپنا مال تو ہندوستان میں بلا محصول

درآمد کرتے ہیں، مگر ہم نے اپنے ہاں ہندوستانی مال پر ۱۰ فیصدی سے ... ۱ فیصدی تک کے محصول عائد

کر رکھے ہیں ...... سورت، ڈھاکہ، اور مرشد آباد وغیرہ صنعتی مقامات جس طرح تباہ کیے گئے

اس کا ذکر نہایت افسوسناک ہے"

ولسن لکھتا ہے "یہ ایک واقعہ ہے کہ انگریزی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ہندوستانی صنعت

کو نہایت ناانصافی سے مٹایا گیا ہے، اگر برطانوی صناع، ہندوستانی صناع سے صرف صناع کی حیثیت سے

مقابلہ کرتا تو ہرگز کامیاب نہ ہو سکتا"

شور لکھتا ہے:- "ہندوستان کے اچھے دن گذر گئے، وہ دولت جس کا کبھی وہ مالک تھا لوٹ

لی گئی، وہ قابلیت و ذہانت جس کا دنیا جہان میں شہرہ تھا، تباہ و برباد کر دی گئی، اور ظالمانہ طریق حکومت

سے اس کے فوائد کو اپنے فوائد پر قربان کر دیا گیا"

لیکن سب سے زیادہ درد انگیز زراعت کی تباہی ہے جس نے اس بدنصیب ملک کے باشندوں

کو مردوں سے بھی بدتر کر دیا ہے، آج اس کے بچے، معصوم بچے! مٹھی بھر اناج کے لیے ایڑیاں رگڑتے

ہیں اور نہیں پاتے، سسکتے ہیں اور مر جاتے ہیں! اس زمانہ کا معمولی کسان وہ ہوتا تھا جس کے پاس

۴ بیل، ۵۰ گائیں، چھ سات بھینس اور تقریباً ۱۰۰ بھیڑ بکریاں ہوتی تھیں، فاقہ اور تنگ دستی کا وہ نام بھی

نہ جانتا تھا، اس میں اتنی مقدرت ہوتی تھی کہ آب پاشی کی تمام ضروریات خود مہیا کر لیا کرتا تھا، نہروں

اور نالاؤں کی مرمت عموماً وہ خود ہی اپنے صرف سے کیا کرتا تھا، چین اور روحانی طمانیت کی مسرت اُس کے

چہرے پر ہمہ وقت کھیلتی رہتی تھی، حکومت کا برتاؤ اس کے ساتھ نرم تھا، مال گذاری منافع کی چوتھائی

یا حد سے حد تہائی (جو اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی تھی) لی جاتی تھی، وقت بے وقت اس کی مدد

کی جاتی، قحط کے زمانہ میں مال گذاری کم کر دی جاتی یا بالکل ہی نہ لی جاتی، اور بقایا کے متعلق تو ہمیشہ

یہ ہوا کہ معاف کر دیا گیا، مگر کمپنی گورنمنٹ کے عہد میں یہ کبھی نہیں ہوا، اس نے آب پاشی پر کبھی ایک پیسہ

خرچ نہ کیا، اور مزارعین پر ہمیشہ سختی کی، اُس نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا ہے تو یہاں گوشہ گوشہ میں

آب پاشی کے ایسے ذرائع موجود تھے کہ اگر وہ ان کو بحال رکھتی تو اس ملک کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن

اس کی تاریخ ایسے واقعات سے شرمندہ نہیں ہے، اُس نے اس ملک کی آمدنی کو اس ملک پر لگانے کے

بجائے اپنے منافع پر لگایا، اور اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی حکومت کے پہلے ۲۵ سال مین پانچ، دوسرے مین دو، تیسرے مین چھ اور چوتھے مین اٹھارہ قحط پڑے، جن مین ۳ کرور ۲۵ لاکھ جانین ضائع ہوئین، اس کی وجہ سے زراعت مین غیر معمولی کمی ہو گئی، مزارعین خانمان برباد ہو گئے، مگر مالگذاری کو معاف کرنا تو الگ رہا، نہایت سختی سے وصول کی گئی، ۱۷۶۹ء مین جبکہ سارا بنگال قحط سے متاثر تھا، وصولی مین مار پیٹ سے کام لیا گیا، ۱۷۷۰ء کا قحط جس نے آبادی کا تیسرا حصہ ہلاک کر دیا، مالگذاری کی فطری کمی کو دوسرے سال کی ناجائز بیشی سے پورا کیا گیا اور اسپر اظہارِ مسرت کیا گیا کہ باوجود سال گذشتہ کے شدید قحط اور نقصان آبادی کے، سال رواں کے بند و بست مین قابل لحاظ بیشی ہوئی ہے "قابل لحاظ بیشی" کا یہ ظالمانہ سلسلہ برابر جاری رہا، جو اتنا بڑھ گیا کہ حاصلات کے نصف پر وصول کیا جانے لگا، اور "بیش از بیش" کی ہوس نے اسپر بھی بس نہ کی، اور مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر وصولی کی مقدار کہین ۵۰ اور ۶۰ فیصدی اور کہین ۸۴ فیصدی تک پہنچا دیا، کمپنی کا ایک افسرِ مال کہتا ہے "موجودہ شرحِ مالگذاری بہت زیادہ ہے جسکی وجہ سے اس ملک کے کسانون کی حالت بہت افسوسناک ہو گئی ہے انھین ایسی حالت مین زمینین جوتنی پڑتی ہین جب اُن کے پاس اس کا سامان تک نہین ہوتا، مگر کمپنی تمام قابل کاشت زمینون سے مالگذاری وصول کرتی ہے، خواہ وہ جوتی گئی ہون یا نہ جوتی گئی ہون مسٹر اسمی کا اندازہ ہے کہ "زمینداروں سے عام طور پر جو مالگذاری وصول کی جاتی ہے، وہ اُن کے زرلگان کا ۴۴ فیصدی حصہ ہوتی ہے، جسے اگر وہ ادا نہ کر سکین تو گرفتار کر کے حوالات مین بھیجدیے جاتے ہین، اور اسوقت تک رہا نہین ہوتے جب تک کمپنی کی مطلوبہ رقم ادا نہ کر دین" کرنل برگس اس تباہ کن قانون مالگذاری کے مضرات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ "ایسی مالگذاری جو آج کل ہندوستان مین مقرر ہے زمیندار کی پوری آمدنی چٹ کر جاتی ہے، یورپ یا ایشیا کی کسی حکومت مین کبھی نہین دیکھی گئی" اس معاشی ظلم نے ہندوستانی کسان کو ملک کر دیا، اس مین جان نہ رہی، چہرے پر مصیبت و فلاکت برسنے لگی، قرض مین

روٹی بوٹی بندھ گئی، اور غریب پیسہ پیسہ سے محتاج ہو کر ان حالون کو پہونچ گیا کہ اس کے بچے بھوکون مرنے، جاڑون ٹھٹھرنے لگے، پہلے وہ ایک فصل بوتا تھا اور چین سے زندگی بسر کرتا تھا، اب بارہ مہینے اپنی ہڈیان پیلتا، اور خون پسینہ کر کے ٹپکاتا ہے مگر پھر بھی روٹی کپڑے کو محتاج رہتا ہے، پہلے وہ فرصت کے دنون مین دستکاری بھی کیا کرتا تھا، لیکن اب دن رات بیگار مین جان مارتا ہے، مسٹر ولیم بولٹس نے لکھا ہے "کسان جو اس ملک کا کاشتکار بھی ہے، اور دستکار بھی، کمپنی کے گماشتون کے مظالم سے تنگ آ گیا ہے، جب وہ کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو اُسے کاشت کا موقع نہین ملتا، اور مال گذاری کی ادائی دشوار ہو جاتی ہے، لیکن وہ غریب اسپر بھی مجبور ہے، اس لیے جب اس کے پاس کچھ نہین ہوتا تو کبھی تو وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کبھی اپنے بال بچون کو بیچ ڈالتا ہے۔"

یہ حقیقت کس قدر تلخ و افسوسناک ہے، جو ملک دنیا کا بہترین صنعتی ملک ہو، جس کی مصنوعات سارے جہان کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہون، جس کی خام پیداوار کا دور دور شہرہ ہو، جہان اجناس کی اتنی ریل پیل ہو، کہ ایک کمانے والے پر گھر کے گھر پلتے ہون، جس کی زمین سونا اگلتی ہو، اور جہان دولت کی نہرین بہتی ہون، وہ ملک ایک صدی کے اندر اندر اتنا مفلس، اتنا قلاش، اتنا بدحال اور فلاکت زدہ ہو جائے کہ اس کی آبادی کا ایک تہائی حصہ نان شبینہ کو محتاج ہو، اور پوری نصف آبادی جاڑے گرمی مین ڈھنگ کا کپڑا نہ پہن سکے؟ کیا کسی قوم کے لیے جو انصاف، انسانیت، شرافت، تہذیب اور بنی نوع انسان کی ہمدردی و غمخواری کی بلند بانگ دعویدار ہو، اس سے زیادہ کوئی بات شرمناک ہو سکتی ہے؟

یہی وہ جگر دوز صورتِ حال تھی جس کو دیکھ کر ایک دردمند مورخ کا دل بھر آیا، وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اس ملک کی خوشحالی سے بالکل بے پروا ہین، ان کی حکومت مین ہر طرف مظلومیت کی چیخ پکار ہے، آبادیان بن ہو گئی ہین، امیر غریب کوئی چین سے نہین، صناع خانمان برباد ہین، کھیت

ہو حق کا میدان ہو رہے ہین، مفلسی، مصیبت اور قحط نے شہ زورون کو بے دم کر دیا ہے، اے خدا اپنے مظلوم بندون کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا، اس جور و ستم سے نجات دے جو ہم نے کبھی دیکھے نہ سُنے،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانون کی نااہلی و بدکرداری کا نتیجہ ہوتی ہے تو ہمین اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار، اصول حکومت اور مطمحِ نظر مین تلاش کرنا چاہیئے؛

کمپنی گورنمنٹ کا مطمحِ نظر

آپ جانتے ہین اگر کوئی بنیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرون کی ایک باقاعدہ جماعت تھی، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت، ترقی، حریفون کا استیصال، دولت کی لوٹ، دیسی صنعتون کی بیخ کنی، اور اپنے ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا تھا، جب تک اس کے ہاتھ مین انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی اور مغل بادشاہون کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادیِ ہمالہ کے مختلف حصون مین کاروبار کرتی تھی اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبون کو شکست دینے اور نکالنے مین کامیاب ہوئی

لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی، اور مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر، ملک کے آئین و قوانین اور قواے نظم و نسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور دولت کی بیش از بیش "لوٹ مار" کے تابع کرلیا، اُس نے اپنی ساری توجہ اس مین مرکوز کردی کہ ہندوستان کی صنعتی روح کو کچل ڈالے، اس کے نقد سرمایہ پر قبضہ کرے، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے، اس نے دیسی تاجرون پر منڈیون کے دروازے بند کر دیے، تمام صنعتون کا اجارہ لے لیا، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کردیے، دستکارون کو طرح طرح کے محصولون اور پابندیون سے جکڑ دیا، قحط کے زمانہ مین زمیندارون سے زبردستی ستا اناج

خرید کر ڈھنگا بچوگی اور اُس کے گماشتے اس طرح پھرنے لگے جیسے بادشاہ پھرتے ہین ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کارون سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور چوگنی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندون کی تجارت جنگی اور دوسرے محصولون سے مستثنیٰ تھی اور دست کارون کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچین، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائین پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجرون کے ہاتھ سے نکل گئی اور صنعتین ان کے مظالم سے مٹنے لگین، مگر میر جعفر تو یہ سب باتین دیکھتا تھا اور دم نہ مار سکا، مگر غیور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسرون، گماشتون اور کارندون کی بدعنوانیون کی بارہا شکایتین کین اور پھر صاف لکھدیا کہ "کمپنی کو اپنے کارندون کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنا رویہ بدلین، ہین اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہین کرسکتی، لیکن جب اس پر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اُس نے اپنے علاقہ مین اندرونی تجارت پر محصول معاف کردیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجرون کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش مین اُسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اُتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کر دیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہان کا ذکر ہے، جہان کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہان کا ذکر نہین جہان مطلق العنان مالک تھی اور جہان صناعون کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیان یہان بھی ختم نہ تھین، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون مین قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالاے طاق رکھ دیا تھا اور جنھون نے احسان کیے تھے اُن ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۳۲ لاکھ ۴۴ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کرسکا، تو اُسے معزول کردیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدناپور،

چٹاگانگ کی آمدنی کے معاوضہ مین گدی نشین کیا، پھر اُس سے کرناٹک کی جنگ کے لیئے پانچ لاکھ روپے مانگے، جو اس نے دیدیے، یہان تک وہ قابلِ تعریف تھا، لیکن بدقسمتی سے اُسکو اپنے ملک سے محبت تھی، وہ اُسکو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا، اور اُس نے دیسی تاجرون کے فائدے کے لیے اپنے ممالک محروسہ مین اندرونی نقل وحرکت پر چنگی معاف کردی تھی، جس کی وجہ سے دیسی تاجرون کو کمپنی کے مقابلہ مین منفعت بخش تجارت کا موقع مل گیا تھا، اس لیے اس کو اس جُرم "بدعہدی" کی سزا مین تخت سے اُتار دیا، (۱۷۶۳ء) اور ۵۳ لاکھ سالانہ پنشن کرکے حکومتِ بنگالہ کو اپنے انتظام مین لے لیا، جو چند سال مین ۱۶ لاکھ تک گھٹادی گئی، شاہ عالم کو ۲۶ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر ہسٹنگز کے زمانہ مین اس کا ایفا فضول سمجھا گیا اور بند کردیا گیا، ۱۷۶۵ء کے معاہدے کی رو سے تنجور کا راجہ کمپنی کا اتحادی تھا، لیکن اس کی دولت پر اس کا دانت تھا، محمد علی نواب کرناٹک کو جو کمپنی اور یورپین مہاجنون کا بہت مقروض تھا، تنجور کے لوٹنے پر آمادہ کیا۔ راجہ نے ۴ لاکھ پونڈ دیکر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پذیرا نہ ہوئی، سینٹ جارج کے اربابِ حل وعقد یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ "صوبہ مدراس کے عین قلب مین ایسی قوت کا موجود ہونا سخت خطرناک ہے" اس بنا پر ۱۷ ستمبر ۱۷۷۳ء کو تنجور کا آخری فیصلہ کردیا گیا، کورٹ آف ڈائرکٹرز نے جن وجوہ کی بنا پر اس کی منظوری دی اُن سے ایک حد تک کمپنی کا نقطہ نظر واضح ہوتا ہے، اس نے لکھا "یہ بات بہت ہی غیر معقول معلوم ہوتی ہے کہ راجہ تنجور ملک کے ایک ایسے زرخیز علاقہ پر قابض رہے جو تنہا ایک پورے لشکر کے مصارف برداشت کرسکتا ہے۔ . . . . . ہم تمھین اجازت دیتے ہین کہ تم راجہ پر زور ڈالنے کے لیے نواب کی مدد کرو . . . . امید ہے کہ اس سلسلہ مین جو رقم ہاتھ آئے گی اس سے نواب کے کل قرضے بیباق ہوجائین گے" ۱۷۷۸ء مین آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لیکر راجہ چیت سنگھ سے ۵۰ ہزار پاونڈ کا مطالبہ کیا، اور جب اس نے یہ رقم بے چون وچرا دیدی تو ۵ لاکھ کا اور مطالبہ کیا، جسے وہ پورا نہین کرسکتا تھا، اس لیے اُسے اس "معقول" جرم کی سزا مین

قید کردیا گیا اور اُس کی جگہ ایک کمزور آدمی کو اس شرط پر گدی نشین کیا کہ وہ مقررہ خراج کے علاوہ مزید رقمون سے بھی مدارات کرتا رہیگا، اسی زمانہ مین آصف الدولہ سے ۱۲ لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا اور اس کی ادائی کے لیے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ماں اور دادی کے خزانون پر قبضہ کرے، حالانکہ ان کی حفاظت کی کمپنی خود ضامن ہوئی تھی، اور آخر کمپنی کی فوجون نے فیض آباد پہنچکر بیگمون کو محل مین قید کردیا اور اُن کے خزانچیون کو لکھنؤ لیجاکر زبردستی ۱۲ لاکھ پونڈ وصول کیے، گنارا کے راجہ کو کمپنی کے افسرون سے شکایتین جب تھامس منرو اس علاقہ مین بندوبست کے لیے گیا تو گنارا کے ولیعہد نے اس سے ملکر اپنی حکومت کی شکایات پیش کین، منرو نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ راجہ کے مطالبات کمپنی کے سامنے پیش کرکے اس کے حسب دلخواہ فیصلہ کرادیگا، مگر عملاً یہ کیا گیا کہ راجہ کے تمام اختیارات سلب کرکے اس کے علاقہ کو اپنے انتظام مین لے لیا اور راجہ کو مدد معاش کے لیے تھوڑی سی جاگیر دیدی،

غرض یہ تھا کمپنی کا مطمحِ نظر، یہ تھے اُس کے اعمال، اور یہ تھے اُن کے تباہی بخش اثرات، حکومت کا کچھ مقصد نہ تھا مگر روپیہ، اس کی طرف سے اجازت تھی کہ "جو چاہو کرو مگر روپیہ بہت بھیجو" عمال پہلے ہی یہان کی دولت کو دیکھ دیکھ کر للچا رہے تھے، پروانگی ملتے ہی کھل کھیلے، لوٹ مار مین کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، جو نہ کرنا تھا وہ کیا، خود ڈائرکٹرون کو بھی ان ناکردہ کاریون کا اعتراف ہے، انھون نے لکھا ہے "یہ بے پایان دولت ایسے جابرانہ وغاصبانہ طریقون سے حاصل کی گئی ہے جو کسی ملک اور کسی عہد کی تاریخ مین اپنا جواب نہین رکھتے"

کیا یہ واقعات ایسے نہین ہین کہ اُن پر انسانیت خون کے آنسو بہائے؟ یہی وہ تباہ کن معاشی غارت گری، اور موت آفرین اقتصادی لوٹ تھی، جس نے ہندوستان کو ان حالون کو پہنچادیا ہے، اونچی ناک والے انگلستان کو اپنے اولین اقدام کے یہ خونین واقعات یاد کرکے شرمانا چاہیئے"

معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف

الانتصار للخیاط

(جرمن سے ترجمہ کیا گیا)

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

معارف (جلد ۱۹ نمبر ۲) مین اطالین مستشرق پرنس کائتانی کی تاریخ اسلام پر ایک مختصر تبصرہ شایع ہوا تھا، اس کو پڑھکر پنجاب کے ایک نوجوان صاحبِ علم نے ہم کو مخاطب کیا، اور اس تاریخ کے اردو ترجمہ کا مژدہ سُنایا، ہندوستان کے موجودہ جمودِ علمی کو دیکھتے ہوے ہمین اس مژدہ پر تعجب ہوا، لاہور کے پچھلے سفر مین ان سے ملاقات کا لطف بھی حاصل ہوا، یہ نوجوان صاحب علم شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے ہین، اللہ تعالیٰ نے بعض اشخاص مین عجیب قابلیتین مضمر رکھی ہین، موصوف کو اسلامی تاریخ و تمدن سے بیحد ذوق ہے، اسی ذوق نے ان کی دستگیری کی اور یورپین زبانون کا شوق ان مین پیدا کیا، خوش قسمتی سے ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے اُن کے اس شوق کی رہنمائی کی،

ان کا وطن امرتسر ہے ۱۹۱۶ء مین جب وہ ابھی کالج کی ایف اے کلاس مین تھے، ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے یہ سُن کر کہ ان کو تاریخ اسلامی کا بیحد شوق ہے، انھون نے کمالِ مہربانی سے اُن کو فرنچ اور جرمن زبانون (جن سے وہ واقف ہین) کی تعلیم کا ذمہ لیا، مگر ان کی تعلیم پر ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے اور ابھی ابتدائی کتابین بھی ختم نہ ہوئی تھین کہ ڈاکٹر صاحب سیاسی مشاغل مین مصروف ہوگئے، اور ان کی مشفقانہ تعلیم و تدریس کا زمانہ ختم ہوگیا، مگر چونکہ وہ ان زبانون کی تحصیل کا راستہ دیکھ چکے تھے اور اسی کے ساتھ ہی وہ یورپین مستشرقین کی تصانیف کے مطالعہ کیلیے بیتاب تھے،

اس لیے علمی شوق اور مناسبتِ طبع نے خود رہنمائی کی اور انھون نے ان زبانون کا مطالعہ از خود جاری رکھا اور بحمد اللہ کہ آج وہ اُن سے بخوبی مستفید ہو رہے ہین،

جب وہ بی اے کلاس مین تھے تو اُن کو برلن کے ایک ناشر الکتب کی طرف سے کائتانی کی کتاب CHRONOGRAPHIA ISLAMICA (کا احوالنامہ اور اسپسمن) وصول ہوا، اگرچہ وہ اس وقت اطالین سے ناآشنا تھے مگر احوالنامہ مین نمونہ کے جو چند صفحے شمول تھے اُن سے کتاب کی ترتیب اور جامعیت اور اُس کے از حد مفید اور پر از معلومات ہونے کا اندازہ کرکے اُنھون نے اطالین سیکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا، چنانچہ ایم اے کلاس مین جب وہ عربی کی تحصیل مین مصروف تھے، برابر اطالین کے مطالعہ کو جاری رکھا، اور دو سال مین اتنی لیاقت پیدا کرلی کہ اس زبان سے ترجمہ کرنے پر قادر ہوگئے، اب وہ مغربی زبانون مین انگریزی کے علاوہ جرمن فرنچ، اطالین مین اور یورپی زبانون سے استفادہ کرسکتے ہین، مشرقی زبانون مین عربی اور فارسی زبانون سے واقف ہین، یہ ایک ایسا مجموعۂ اوصاف قابلیت ہے جس پر مسلمان فخر کرسکتے ہین، شیخ صاحب گاہ گاہ اپنے تراجم سے معارف کو بھی مشرف کرنے کا عزم رکھتے ہین اور اس سلسلہ مین اپنے متعدد تراجم انھون نے بھیجے ہین جن مین سے ایک آج ہدیۂ ناظرین ہے،

معارف جلد ۷، نمبر ۲ کے شذرات مین الانتصار نامی ایک عربی کتاب کا تذکرہ کیا گیا تھا، اب انھون نے اس کتاب کے متعلق اس کے شائع کنندہ جرمن مستشرق کا تبصرہ جرمنی سے ترجمہ کرکے بھیجا ہے جسکے لیے ہم اُنکے شکر گذار ہین، انشاء اللہ آیندہ ہمارے ناظرین کو اُن کی قابلیت کے مزید نمونے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہیگا،

علمی حلقون مین یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جاے گی کہ حال ہی مین معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف روز روشن مین آئی ہے، اس کا عنوان کتاب الانتصار و الرد علی ابن الراوندی الملحد ہے اور ابو الحسین عبد الرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط کی تصنیف ہے، اُپسالا یونیورسٹی (سویڈن) کے ایک استاذ ڈاکٹر نیبرگ نے اس کو

قاہرہ کے کتب خانۂ سلطانی کے ایک نادر اور واحد نسخہ سے لیکر ایک مفصل عربی دیباچہ کے ساتھ مصر سے سنہ ۱۹۲۵ء
مین لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر کے خرچ پر شایع کیا، چند ماہ ہوے صاحب موصوف نے اُس کے مضامین
کی نوعیت اور اہمیت کے متعلق ایک مختصر تحریر جرمن زبان مین شائع کی تھی جس کا ترجمہ ذیل مین ہدیۂ ناظرین ہے،
فرقۂ معتزلہ کا آغاز اس کی قدیم تاریخ، تاحال تاریکی کے پردہ مین مستور رہی ہے، کیونکہ اب تک ہمین
اُن کے عقائد وکلام کی کوئی قدیم العہد کتاب معلوم نہ تھی، یہ سچ ہے کہ بغدادی، شہرستانی اور ابن حزم نے
ملل ونحل پر جو کچھ لکھا ہے، اس مین اس فرقہ کی تاریخ کے متعلق بھی کچھ مواد چھوڑا ہے، مگر یہ مواد بہت قلیل اور
نا مکمل ہے، اُس کے علاوہ عدم رواداری اور تعصب نے اس مین اس قدر تصرف کیا ہے کہ قدیم معتزلی متکلمین کے
اصلی اور حقیقی عقائد ومقاصد تک پہنچنا محض روایات کی نہایت سخت تنقید کے بعد ممکن تھا، اور اس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ معتزلہ کی اصل حقیقت یورپ کے علماے محققین سے بھی مخفی رہی، معتزلی علماء کو کسی نے آزاد خیال اور
کسی نے زاہدان مرتاض تصور کیا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا سے الگ تھلگ، بیفائدہ
اور لاحاصل موشگافیون اور باریک بینیون مین منہمک رہتے تھے، لہذا اہل تحقیق کے لیے اس امر سے
زیادہ خوش آئند اور کیا بات ہوسکتی تھی کہ انھین قدیم معتزلہ کا بیان خود انھین مین سے ایک کے ہاتھ کا لکھا
ہوا دستیاب ہو جائے، اس مضمون کے متعلق جو کمی ہمارے علم مین تھی اس کو مذکورۂ بالا کتاب بطریق احسن
پورا کرتی ہے،

یہ کتاب ایک مشہور معتزلی عالم یعنی خیاط کی تصنیف سے ہے، جو کعبی کا استاد تھا، اور جو علماء کی
راے کے مطابق اُن لوگون مین سے تھا، جو اسلام مین دینی عقائد ومسائل کے قدیم ارتقاء کے بہترین عالم گذرے
ہین، اس کا سال وفات سنہ ۳۰۰ھ کے قریب ہے، اور اس کی موجودہ کتاب محض حسن اتفاق سے ہم تک پہنچی
ہے، ہمین اس کا صرف ایک نسخہ معلوم ہے جو مصر کے کتب خانۂ سلطانی کو سنہ ۱۹۱۰ء مین شیخ طاہر الجزائری
سے ورثہ مین ملا، اور جو دراصل پہلے دمشق کے کسی کتبخانہ مین وقف تھا، آخری صفحہ پر شام کے ایک فقیہ کی

لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس کتاب سے کچھ واسطہ وتعلق رہا ہے، اور ہمارے
لیے خوشی کا مقام ہے کہ یہ کتاب متعصب ملاؤن کی حرارت مذہبی سے بچ رہی ہے، کتاب ہذا کا نسخہ
بذات خود بڑا نادر اور یادگار زمانہ ہے، کیونکہ یہ نسخہ سنہ ۳۴۷ھ مین تیار ہوا تھا اور اب بھی اچھی خاصی
حالت مین ہے،

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ کتاب ابن الراوندی کے جواب مین لکھی گئی تھی، جو ایک پُراسرار
شیعی آزاد خیال گذرا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خیاط نے اپنی عمر اور اپنے مطالعہ وتحقیق کا بہت سا حصہ اُس
ملحد کے خلاف جنگ کرنے مین صرف کیا تھا۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا قصہ یون ہے کہ متوکل کے
عہد خلافت مین معتزلہ پر جو جبر وتشدد ہوا، غالباً اسی سے متاثر اور برانگیختہ ہو کر جاحظ نے ایک کتاب "فضیلۃ المعتزلہ"
کے نام سے تصنیف کی تھی، جسمین اس نے نہ صرف اپنے فرقہ کے اصول کو ثابت کیا تھا، بلکہ شیعہ فرقہ پر بھی
بہت درشت حملے کیے تھے، اس کے جواب مین غالباً تیسری صدی ہجری کے اختتام کے قریب ابن الراوندی
نے اپنی مناظرانہ کتاب "فضیحۃ المعتزلہ" لکھی اور اس مین جاحظ پر خوب لے دے کی، اب خیاط نے ابن الراوندی کے
رد مین اپنی کتاب الانتصار لکھی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ابن الراوندی کی تنقید کی ہر فصل کی چھان بین
کرتا ہے، اُس کے اعتراض کو اسی کے الفاظ مین نقل کرتا ہے اور اس کے بعد معتزلی علماء جن کو ابن الراوندی
نے مورد طعن بنایا تھا، کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس طرح تمام قدیم
معتزلہ ہماری نظر کے سامنے سے گذرتے ہین، خیاط اپنے جوابات مین زیادہ تر نظام اور ابو الہذیل العلاف
کا ذکر کرتا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ معتزلہ کے آغاز اور عقائد پر جن کو آج تک غلط سمجھا جاتا رہا ہے بالکل نئی
روشنی پڑی ہے اور اس اہم فرقہ کے حقیقی مقاصد آشکارا ہوے ہین، کتاب ہذا کے بموجب اس بات مین کچھ
شک نہین رہا کہ اعتزال دراصل ایک مدافعانہ اور مبلغانہ تحریک تھی جو ایک مدت تک جاری رہی،
یہ امر بہت دیر پہلے اس نہایت اہم مواد سے بھی معلوم ہوسکتا تھا، جو جاحظ نے کتاب البیان مین داخل

اور عمرو بن عبید کے متعلق روایت کیا ہے،

کتاب الانتصار نہ صرف معتزلہ کی تاریخ کے لیے نہایت اہم ہے، بلکہ اس کے واسطہ سے ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کے کئی اجزا معلوم ہوسکتے ہین جن کی مدد سے یہ کتاب تمام کی تمام ازسرنو تیار ہوسکتی ہے، اس کے ذریعہ سے ہم ابن الراوندی کی شخصیت کے متعلق بالکل نئی بصیرت حاصل کرتے ہین اور معتزلہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی مکمل تاریخ مسطور پاتے ہین، اس کے علاوہ ایک قدیم شیعی عالم ہشام بن الحکم پر نئی روشنی پڑتی ہے، ایک اور مزید اور ناقابلِ تردید بات جو اس کتاب سے آشکارا ہوتی ہے یہ ہے کہ بغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق" مین ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کو بکثرت استعمال کیا ہے،

لہٰذا کتاب الانتصار اسلام کے قدیم عقائد کی تاریخ کے لحاظ سے ایک اول درجہ کی دستاویز ہے،

اس کتاب کے دیباچہ مین جو عربی مین لکھا گیا ہے، خیاط اور ابن الراوندی کی سوانحعمری کے متعلق مسالہ اور مواد یکجا کردیا گیا ہے، معتزلہ کے متعلق نئے مواد پر بحث کی گئی ہے اور اس فرقہ کی قدیم تاریخ کو ازسرنو قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کے مطالعہ سے مشرقی قارئین پر یورپ کے اصول تاریخ نویسی ظاہر ہون گے، حواشی مین کتاب کے مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے اور متن مین جن اشخاص کا ذکر ہوا ہے اُن کے حالاتِ زندگی کے متعلق مواد فراہم کردیا گیا ہے، فہرستون کے مکمل بنانے مین خاص احتیاط اور محنت صرف کی گئی ہے،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانون نے فن زراعت مین جو ترقی کی تھی اس کا یہ آئینہ ابن العوام الاشبیلی کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے، اور معارف پریس مین چھپا ہے، تاریخ اور فن دونون کی حیثیت سے پڑھنے کی چیز ہے، حجم ۱۶۶ صفحہ، قیمت للعہ

تلخیص و تبصرہ

آلۂ پارچہ بافی کا انگریز موجد

اور اُسکی

صد سالہ برسی

انگلستان کی تمام دولت و ثروت اور قوتِ جہانبانی کا راز اس کے کپڑون کی تجارت مین مضمر ہے، کیونکہ اس کو دنیا کے تمام ممالک مین صنعتِ پارچہ بافی مین تفوق حاصل ہوا ہے، اور اسی صنعت سے اس نے اقتصادی و سیاسی تفوق حاصل کیا ہے اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر فرمان روا ہے،

لیکن یہ عجیب پرلطف حقیقت ہے کہ انگلستان کی یہ حیرت انگیز صنعتی ترقی صرف ایک شخص سیموئل کرومپٹن (SAMUEL CROMPTON) کی رہینِ منت ہے، جس نے خود نہایت عسرت کی زندگی گذاردی، ۲۶، جون ۱۹۲۷ء کو انگلستان مین اس کی صد سالہ برسی نہایت شان و شوکت سے منائی گئی، مصر کے رسالہ المقتطف مین اسی صد سالہ برسی کی مناسبت سے اس کے حالاتِ زندگی شایع ہوے ہین، جس کا خلاصہ ہم درجِ ذیل کرتے ہین، جسمین انگلستان کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز پنہان ہے،

اس کی پیدائش ۱۷۵۳ء مین صوبۂ لنکا شائر کے ایک شہر بولٹن کے قریب ہوئی، اس کے والدین نہایت غریب و نادار تھے، اس لیے اُنھون نے اُسکو مجبوراً بچپن سے تعلیمی سلسلہ کی طرف بھیجنے کے بجائے سوت کاتنے مین لگا دیا، اس وقت تک انگلستان مین سوت کاتنے کی دو مشینین ایجاد ہوچکی تھین جن مین سے ایک ہرگریوز کی طرف منسوب ہے، جسمین آٹھ چرخے کام کرتے تھے، جنکو ایک دولابی شکل کا پہیہ بیک وقت

چلاتا تھا، لیکن اس کا سوت نہایت ناقص ہوتا تھا، جو صرف تانے کے کام مین آتا تھا، اس لیے پارچہ بافت بالعموم بانے مین اون یا کتان وغیرہ بھرتے تھے، اس لیے ایک ایسی مشین کی شدید ضرورت تھی جو بانے کے لیے بھی روئی کا سوت تیار کرسکے، چنانچہ ایک دوسرے شخص سر رچرڈ آرک رائٹ (SIR RICHARD ARK WRIGHT) نے یہ کمی پوری کردی، اور اس سے ایسا سوت تیار ہونے لگا جو بانے کے کام مین آئے اور اس کے بعد پارچہ بافون کا عام دستور رہا کہ وہ ہرگریٹس کے سوت سے تانا تنتے اور سر آرک رائٹ کے سوت سے بانا بھرتے، لیکن ان دونون تار و پود کی تکمیل کے بعد بھی انگلستان کو اقوام عالم کے درمیان صنعت پارچہ بانی مین کوئی خاص امتیاز حاصل نہین ہوا، البتہ اُس سے ملکی ضرورتین ایک حد تک پوری ہونے لگین،

اس کے بعد سیموئل کرومپٹن کا دور آتا ہے، یہ فطرۃً نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوا تھا، اس کے مصرف مین بھی یہی دونون مشینین تھین، اس نے اپنا مشغلہ جاری رکھتے ہوئے، ان دو مشینون کے نقائص بہت جلد معلوم کرلیے اور ان کی اصلاح و ترمیم پر غور کرتا رہا، یہان تک کہ ۱۷۷۹ء مین اس کو نمایان کامیابی حاصل ہوئی، اس نے ان دونون مشینون کے اجزا علحدہ کیے، اور پھر دونون مین سے مفید اور زیادہ کار آمد اجزا کو یکجا کیا، اور اُنمین چند چیزین اضافہ کرکے بالکل ایک نئی مشین تیار کرلی، اور اس درجہ نمایان کامیابی حاصل کی کہ ابتک قدیم مشینون سے زیادہ سے زیادہ ۱۶۰۰۰ گز طویل سوت کاتا جاسکتا تھا، لیکن اب اسکی مشین ۸۰،۰۰۰ میل کا سوت نکالنے لگی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ اس مشین مین ابتداءً صرف تیس چرخے لگائے جاتے تھے، بعد مین اس مین مزید ترقی ہوئی، اور اس مین ۲ ہزار چرخے بیک وقت کام کرنے لگے،

علاوہ ازین اس کا سوت باریکی، مضبوطی، صفائی اور دیگر خوبیون کے لحاظ سے نہایت بہترین ثابت ہوا، اور بازار مین پہونچتے ہی بہت جلد قبولیت حاصل کرلی، جس کی وجہ سے اس کے ہم پیشہ

لوگون کے کاروبار کو شدید نقصان پہونچا، اور وہ اُس کے درپے آزار ہوگئے، اور اس کی کامیابی کے راز کی جستجو مین لگ گئے، کیونکہ ابتک اُس نے اپنے اس اختراع کو صیغۂ راز مین رکھا تھا، اور اس لیے اُسنے اس اختراع کے سلسلہ کی تمام جد و جہد رات کو بند کمرے مین کیا کرتا تھا، اور مشین کی تیاری کے بعد بھی وہ رات کو کام کرتا رہا، لیکن ایک طرف اس کی ہم پیشہ جماعت اس پر ٹوٹ پڑی، اور دوسری طرف انگلستان کے بڑے بڑے تاجرون نے کوشش شروع کی کہ وہ اپنے حق ایجاد سے دست بردار ہوکر کوئی معاوضہ قبول کرے، نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے والون کی ایک بڑی جماعت شبانہ روز اس کے مکان کا محاصرہ کیے بیٹھی رہی، اور اُدھر تاجرون کا اصرار بھی تشدید و تخویف تک پہونچ گیا، اور ان حالات مین اُسکے لیے رات دن مین کسی وقت ایک لمحہ کام کرنا دشوار ہوگیا، بالآخر یہ چیز بہت جلد اُس کے ہاتھون سے نکلکر تمام پارچہ بافون کے یہان پہونچ گئی، اور تاجرون کے تمام وعدے بھی غلط نکلے اور اس سلسلہ مین اس کو صرف ۶۰ پونڈ دستیاب ہوئے،

لیکن اب کرومپٹن کے لیے خود اس کی مشین بیکار ہوگئی، کیونکہ اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ وہ وہان کے بڑے بڑے تاجرون کے مقابلہ مین اپنا کارخانہ قایم کرتا، کیونکہ ان لوگون نے اپنے کارخانون مین بہت جلد اس مشین کو رائج کردیا تھا، اس لیے اب کرومپٹن حکومت سے اپنی ایجاد کا معاوضہ طلب کرنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس سلسلہ مین ۱۸۱۲ء مین اس کو صرف ۵۰۰ پونڈ کی حقیر رقم دی گئی، کرومپٹن اس پر خاموش رہا، لیکن جب ۱۸۰۹ء مین ڈاکٹر اڈمنڈ کارٹرائٹ کو ایک کارگاہ کی ایجاد کے معاوضہ مین جو پانی اور بخارات کی مدد سے چلتا ہے، ۱۰ ہزار پونڈ حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا، تو کرومپٹن نے بھی اپنی ایجاد کا حقیقی معاوضہ طلب کرنا چاہا، کیونکہ ڈاکٹر اڈمنڈ کی ایجاد کے مقابلہ مین اس کی ایجاد بہت زیادہ بلند پایہ اور انگلستان کی ثروت مین انقلاب پیدا کرنے والی تھی،

چنانچہ اُس نے اس مقصد کے لیے ملک کا دورہ کیا، جس سے اسکو معلوم ہوا کہ اسوقت ملک مین

۶۵۰ ہزار اس کی مشین چلتی ہے، ۱۵۰ ہزار ہر گریٹس کی اور ۳۰۰ ہزار آرک رائٹ کی مشین ہے، حالانکہ اس کی مشین ابھی بالکل نوایجاد تھی،

اُس نے یہ اعداد وشمار ارباب حکومت کے سامنے پیش کیے اور مسٹر اسپنسر رئیس الوزرا نے کرومپٹن کو ۲۰ ہزار انعام دیے جانے کی ایک تحریک پارلیمنٹ مین پیش کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن کرومپٹن کی شومیِ [illegible] عین اسی دن جبکہ یہ تحریک پیش ہونے والی تھی مسٹر اسپنسر پارلیمنٹ کو جارہے تھے کہ ان پر کسی نے شدید جارحانہ حملہ کیا، اور کرومپٹن کی شخصیت ایک مرتبہ پھر پارلیمنٹ کی نظرون سے اوجھل ہوگئی، لیکن مدت کی خاموشی کے بعد پارلیمنٹ نے اس کو دوبارہ یاد کیا، اور ۵ ہزار پونڈ کا انعام دیے جانے کا فیصلہ کیا، کرومپٹن نے اس سرمایہ سے اپنا کاروبار جاری کیا، لیکن اس کو نقصان اٹھانا پڑا، اور جسکی وجہ سے اس کا سرمایہ بھی ضایع ہوگیا، اور اُس کے فقروفاقہ کی زندگی پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی، اسی حالت مین گذر رہی تھی کہ ۱۸۲۲ء مین اُس کے بعض احباب نے اس کے نام سے کچھ سرمایہ جمع کردیا جس کا ۶۳ پونڈ سالانہ منافع ملنے لگا، اور اب یہی اس کی ساری کائنات تھی جسپر وہ بسراوقات کرتا تھا، اور بالآخر انگلستان کو دولت وثروت اور سیاست مین تمام اقوام عالم پر سربلند کرنے والا کرومپٹن، اسی تنگدستی وفاقہ مستی مین ۲۶ جون ۱۹۲۶ء مین موت کے پنجہ مین گرفتار ہوگیا،

اس کی وفات کے بعد ہی اس کے ہموطن باشندگانِ بولٹن کی آنکھین کھلین، اور اس کی قدرافزائی اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے، شہر مین عام سڑکون پر جابجا اس کے مجسمے نصب کئے گئے، اسکی سالانہ برسی منائی جانے لگی جسمین تمام انگلستان نہایت خلوص سے شرکت کرتا، یہانتک کہ اس سال اسکی صد سالہ برسی اس کروفر اور دھوم دھام سے ۲۶ جون کو منائی گئی کہ شاہ فواد فرمانروا ے [illegible] ثروت باشا وزیر اعظم مصر کو ساتھ لیکر اس کی شرکت کے لیے مصر سے انگلستان گئے، کیونکہ انگلستان کی صنعتِ پارچہ بافی مین مصر کی روئی کی زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے شاہ فواد کا انگلستان مین

نہایت شان وشوکت سے شاہی استقبال ہوا، اور وہ شاہی جلوس کے ساتھ بولٹن جاکر اس تقریب مین شریک ہوے، کرومپٹن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی سب سے پہلی مشین آج انگلستان کے عجائب خانہ مین نہایت عزوافتخار سے رکھی ہوئی ہے

"ر"

عربون کے شمسی مہینے

عربی زبان مین قمری مہینون محرم صفر وغیرہ کے علاوہ شمسی مہینے بھی استعمال کیے جلتے ہین، شمسی مہینے عرب مین اسلام سے پہلے یہودیون کے ذریعہ سے آئے، اور اس وقت سے آجتک برابر ستعمال کیے جاتے ہین چنانچہ اسوقت بھی عرب، مصر اور شام وغیرہ مین قمری مہینون کے پہلو بہ پہلو یہ مہینے بھی لکھے جاتے ہین جو بہ ترتیب حسب ذیل ہین،

تشرین اول، تشرین ثانی، کانون اول، کانون ثانی، شباط، اذار، نیسان، ایار، حزیران، تموز، آب، اور ایلل یا ایلول،

بصرہ کے ایک یہودی صاحب قلم یوسف ہرمن نے ان مہینون کا ماخذ کلدانی زبان کو قرار دیا ہے، اور اسی لحاظ سے اُن کے نامون کی توجیہ پیش کی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

تشرین کلدانی کے لفظ (شرا) سے نکلا ہے جس کے معنی شروع اور ابتدا کرنے کے ہین، اور اسی مہینہ سے آغازِ سال ہوتا ہے، کانون کا لفظ (کانونا) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کلدانی مین انگیٹھی کے ہین، اور ان دونون مہینون کا نام اس لیے پڑا کہ ان مین سردی ہوتی تھی اور لوگون کو انگیٹھیون کی ضرورت پیش آتی تھی،

شباط خالص کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "سوط" یعنی کوڑے کے ہین، اس مہینہ کو اس لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ سورج اپنی کرنون کے کوڑون سے کانون کے دونون مہینون کے

چلنے کے جاڑون کہار بھگاتا ہو"۔ "آذار" کے معنی کلدانی مین "چھینٹے" کے ہین کہ اسی مہینہ مین پانی کی بوچھارین پڑنے لگتی تھین "ایار" کے معنی "جاگنے" یا "جگانے والے" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان اپنی کھیتی کو بچانے کے لیے راتون کو جاگ کر کاٹتے تھے "نیسان" کے معنی "تجربہ" کے ہین، اس مین درخت اور کھیت کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا، اس سے وہ ابرِ نیسان اور قطرۂ نیسان فارسی مین مستعمل ہے "حزیران" کے معنی "محنت اور کوشش" کے ہین کہ اسی مہینہ مین کسان کڑاکے کی دھوپ مین کھیتی کے کام کاج مین ان تھک لگے رہتے تھے، "تموز" کے معنی "دوائین" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان کھیت کاٹ کر دائیان کرتے تھے "آب" کھجور کو کہتے ہین کہ اسی مہینہ مین کھجورین پکتی تھین اور اسی لیے عربی مین اس مہینہ کو ابوالفا کہہ بھی کہتے ہین "ایلول" کہتے ہین "ولولہ اور بکا" کو کیونکہ اس مہینہ مین کسانون کے گھر پونجی ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے ساتھ جاڑے کے دن بھی آجاتے ہین جس سے بہت دکھ اور رنج مین رہتے تھے، اسی طرح لفظ "شہر" جس کے معنی عربی مین مہینہ کے ہین، دراصل کلدانی کا لفظ "سہرا" یعنی چاند ہے، مگر جب یہ لفظ عربی مین آیا تو چاند کے معنی مین لیے جانے کے بجائے چاند کے ایک دور یعنی مہینہ کا نام رکھ دیا گیا، "ر"

یورپ اور روزہ

"یورپ" اور "روزہ" بظاہر ان دونون لفظون مین آج تضاد نظر آتا ہے، مگر ایک زمانہ تھا جب آج کا مصنوعی عیسائی یورپ حقیقی عیسائی یورپ تھا، اسوقت وہان مذہبی حیثیت سے لوگ اسی طرح روزے رکھتے تھے جیسے آج بھی مذہبی مشرق مین لوگ روزے رکھتے ہین، اور اُسکے لیے سلطنتین اُسی طرح تاکیدی احکام نافذ کرتی تھین جس طرح اسلامی ملکون مین آج بھی سلطنتین رمضان کے احترام کے احکام جاری کرتی ہین، مگر بڑھتی ہوئی عیش پسندی اور روحانیت سے تنفر اور بے اعتمادی نے نہ صرف یورپ سے بلکہ عیسائیت سے بھی اسکو خارج کر دیا،

حضرت عیسیٰ ؑ نے خود بھی روزے رکھے تھے اور اُن کے پیرو بھی روزے رکھا کرتے تھے تاہم ان کے زمانہ کے یہودیون کو اسپر بھی اعتراض تھا کہ اُن کے پیرو بہت کم روزے رکھتے ہین حضرت عیسیٰ ؑ نے اُن کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا، مگر حضرت عیسیٰ اگر آج ہوتے تو دیکھتے کہ یہودیون کا اعتراض اب سو برس کے بعد ان کے پیروون پر پورا صادق آگیا عیسائی فرقون مین بہت کم روزے پروٹسٹنٹ فرقہ مین ہین اور غالباً عملی حیثیت سے اسی تحریک نے عیسائی ملکون مین روزے کی اہمیت کم کر دی، حالانکہ اس کے بانی لیوتھر نے روزون کی ترویج کی کوشش بھی کی تھی اور اس کے باعث "اسپر ترکون کے مذہب" یعنی اسلام کی متابعت کا الزام قائم کیا گیا تھا،

لیکن یورپ مین مذہب کے تدریجی انحطاط کے ساتھ ساتھ روزون کی عملی اہمیت بھی کم ہوتی گئی، گذشتہ زمانہ مین جب وہان مذہب کے تمام احکام اور ممنوعات حکومت کے قوانین کے طور پر نافذ ہوتے تھے تو روزون کے احترام کے متعلق احکام جاری ہوتے تھے، ۸۰۰ء مین فرانس کے بادشاہ شارلمان نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے روزے کے دنون مین روزے نہ رکھیگا اسکو موت کی سزا دیجائیگی، اور عذر بھی اسوقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کسی مجبوری کی تصدیق مین اسقف کی تحریری شہادت نہ پیش کی جائیگی اور افطار کی اجازت ملنے کے بعد نہایت پوشیدہ طور پر افطار کرنا ہوگا، پھر ہنری جارج نے بھی اسی حکم کی تجدید کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس حکم مین آسانی ہوتی گئی، یہان تک کہ ۷، فروری ۱۵۹۵ء کو عام شاہراہ پر اعلان لگایا گیا کہ روزے کے دنون مین گوشت کھانے والون کو شدید سزا دیجائیگی، اور اگر کوئی قصائی گوشت بیچتا نظر آئے گا تو اس کے لیے موت کی سزا ہوگی، پھر سترھوین صدی مین بھی اسی قسم کے اعلانات کی تجدید ہوئی، مگر جب اٹھارھوین صدی آئی، تو ۱۷۴۲ء مین پولیس نے ایک مقام پر مختلف قسم کے گوشتون کی ایک بڑی مقدار پکڑی جو ملک کے امراء اور رؤسا کیلئے مہیا کی گئی تھی، لیکن حکومت کیطرف سے گوشت ضبط کر لینے کے علاوہ اور کسی قسم کی بازپرس نہین ہوئی اور اسی کے بعد روزون کے متعلق تمام امتناعی احکام رفتہ رفتہ کالعدم ہو گئے یہانتک کہ آج ہم "یورپ" اور "روزہ" دو متضاد مفہوم سمجھتے ہین،

"ر"

اخبار علمیّہ

ہندوستانی ایکڈیمی (صوبہائے متحدہ) کی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۲۷ء مین یہ طے کیا تھا کہ قبل اسکے کہ کوئی اعلیٰ کام کیا جائے اُردو ہندی کے موجودہ لٹریچر کی جانب سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ دو کمیٹیان ایک اردو کے لیے اور دوسری ہندی کے لیے اس غرض سے مقرر کی گئین کہ دو مہینہ کے اندر ایگزیکیٹو کمیٹی کے سامنے وہ ان لٹریچرون کی رپورٹ پیش کرین، دونون کمیٹیون نے اپنی اپنی رپورٹین بھیجین، اور ایگزیکیٹو کمیٹی نے ان رپورٹون پر، ۲۷ جولائی ۲۷ء کو غور کرکے ایکڈیمی کے حصول اغراض کے مناسب طریقون پر بحث کی، ایک اسکیم سال روان کے اخراجات کی تیار کی گئی جسکی رو سے پانچ ہزار روپیہ ان لوگون کے لیے منظور کیا گیا جو نئی کتابین لکھین اور دو ہزار پانسو روپیہ اُن لوگون کے لیے جو سال روان کے اندر بہترین کتاب تیار کرین، تین ہزار چھ سو روپیہ ان لوگون کی تنخواہ کیلیے جو دارالتالیف مین ایکڈیمی کی جانب سے ملازم رکھے جائین اور ایک ہزار روپیہ اُن علمار اور فضلار کے اخراجات کے لیے جسکو ایکڈیمی لکچر دینے کے لیے مدعو کرے،

—— ❋ ——

کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ دو کتابین ہندوستان کے ادبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی حالت پر، ایک ہندوون کے زمانہ کی اور دوسری مسلمانون کے عہد کی تیار کرائی جائین، ایک کمیٹی چند ممبرون کی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ ایسے ادیب کا انتخاب کرے جو اس کام کے لائق ہو اور جب کتاب تیار ہو جائے تو اس کی طباعت کا اہتمام کرے،

—— ❋ ——

دارالتالیف کے مستقل اشخاص کے تقرر اور لکچرر کے انتخاب کے لیے بھی کمیٹیان مقرر کی گئین، دو انعامات بھی تجویز کیے گئے ہین، ایک سال روان کی بہترین اُردو نثر کی کتاب اور دو نظم کی کتاب کیلیے اور اسی طرح ہندی کے لیے بھی دو انعامات مقرر کیے گئے ہین،

—— ❋ ——

ایکڈیمی کے صدر سر تیج بہادر سپرو نے اپنی فیاضی سے ایک ہزار روپیہ اس غرض سے ایکڈیمی کو عطا کیا ہے کہ وہ اس رقم کو اوس فاضل کی خدمت مین بطور نذر کے پیش کرے جو ہندوستان کے اسلامی عہد کی معاشرتی اور تمدنی حالت پر تین خطبے پڑھے، کمیٹی نے اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور ایک ہزار روپیہ اپنے فنڈ سے اس لکچرر کو نذر دینے کے لیے علٰحدہ تجویز کیا ہے، جو تین لکچر ان موضوعات پر جن کو ایکڈیمی تجویز کرے گی تیار کرے،

—— ❋ ——

مرض سرطان آج کل مغرب کے حکما کو مرض سرطان کے متعلق تحقیق و تدقیق کا خاص شوق پیدا ہوا ہے، چنانچہ ہر مہینہ مین وہان کے بلند پایہ علمی وطبی رسائل مین اس مرض کی تشریح، اس کے پیدا ہونے کے اسباب، اس سے محفوظ رہنے کی تدبیرین، اس کے طریقۂ علاج، اور مختلف طریقۂ علاج کے مختلف تجربات وغیرہ پر مفید مضامین اور اعداد و شمار شائع ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین اس کا سیسہ کے ذریعہ سے جو علاج ہوتا ہے اس کے اعداد و شمار شایع ہوے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک شہر لیورپول مین گذشتہ پانچ سالون کے اندر ۲۷۲ اشخاص اس مرض مین مبتلا ہوکر زیر علاج آئے جن مین ۳۱ مریضون کو صحت ہوئی، ۱۰ مریضون مین مرض کی ترقی کی رفتار رُک گئی، اور ۱۰۸ مریضون نے وفات پائی، جن مین سے ۱۰۲ تو اس مرض ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور باقی ۶ مریضون کی جان سیسہ سے علاج کرنے کی وجہ سے ضائع ہوئی،

—— ❋ ——

سونے کی مقدار، اس وقت مختلف ممالک مین سونے کی جو مقدار جمع ہے اس کے اعداد و شمار حسب ذیل ہین :-

امریکہ	۵۸۰	ملین پونڈ	ارجنٹائن	۸۲	ملین پونڈ
فرانس	۱۲۲	" "	جرمنی	۵۸	" "
انگلستان	۱۲۰	" "	اٹلی	۴۴	" "
جاپان	۱۱۷	" "	کناڈا	۴۰ یا ۴۵	" "
اسپین	۸۸	" "	ہالینڈ	۱۸	" "

آفتاب مین داغ، ماہرین فلکیات کا بیان ہے کہ چند دن گذرے کہ آفتاب کے روشن چہرے پر ایک بہت بڑا داغ نمایان ہوا جو یکم جون سے ۱۵ جون تک قائم رہا اس داغ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ یہ دو ہزار مربع میل کو محیط تھا، لیکن اسی رقبہ مین اس بڑے داغ کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے داغ بھی شمار کر لیے گئے،

کہکشان کے ستارون کی تعداد، امریکہ کے رسالہ مین جو ایک خاص مجلس علمی کا آرگن ہے ڈاکٹر ایبٹ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین انھون نے کہکشان کے ستارون سے بحث کی ہے اور انکی مجموعی تعداد کا تقریباً ۳۰ ہزار ملین اندازہ لگایا ہے اور اس کے سبب سے طویل قطر کا اندازہ ایک لاکھ سال نوری اور اس کے سب سے کم قطر کا اندازہ ۱۰ ہزار سال نوری کیا گیا ہے،

لاسلکی کی ایک اور علمی ترقی، ہم نے معارف ماہ مئی مین "لاسلکی کی نئی ترقیان" کے عنوان

سے مسٹر بارڈ کے ایک جدید اختراع کا تذکرہ کیا تھا جس کے ذریعہ سے انسان دور دراز کی چیزون کی اصلی شکل و صورت وضع قطع اور صحیح نقل و حرکت کو دیکھ سکتا ہے اب اس آلہ نے آزمائش اور تجربہ کے دور سے گذر کر عمل کے دور مین قدم رکھا ہے اور اسکے لیے یورپ مین جابجا اسٹیشن قایم ہو رہے ہین چنانچہ اس کا ایک اسٹیشن آئرلینڈ کے دار الحکومت ڈبلن مین بنا ہے جو آئرلینڈ کا جنوبی حصہ ہے اور دوسرا اسٹیشن اس کے شمالی حصہ مین شہر بلفاسٹ مین قایم ہوا، ان کے علاوہ جابجا دیگر مقامات پر متعدد اسٹیشن بنائے گئے ہین لیکن ابھی تک ان مین سے دو اسٹیشنون کے درمیان کی مسافت ۱۶۲ میل سے زیادہ نہین ہونے پائی تھی اور خیال تھا کہ شاید اس سے زیادہ مسافت مین مزاحمت پیش آئے، مگر بالکل آخری اطلاع سے پتہ چلا کہ لندن اور گلاسگو مین بھی اسٹیشن قایم ہو گئے ہین جن کی مسافت تقریباً ۳۵۰ میل ہے،

اقوام عالم کی مردم شماری دنیا کی آبادی مین، ابتک دنیا کی تمام آبادی مین سے ۳/۴ حصہ کی مردم شماری ہو سکی ہے اور باقی ۱/۴ حصہ محض اندازہ پر مشتمل ہے چنانچہ اس لحاظ سے دنیا کی سب سے آخری مردم شماری کے اعداد و شمار حسب ذیل قرار پائے ہین :-

یورپ -	۳۵۱۰۰۰۰۰۰	شمالی امریکہ -	۱۴۴۰۰۰۰۰۰
ایشیا -	۹۵۶۰۰۰۰۰۰	جنوبی امریکہ -	۹۷۰۰۰۰۰۰
افریقہ -	۱۲۲۰۰۰۰۰۰	اوقیانیکا -	۶۹۰۰۰۰۰۰
			۱۸۱۹۰۰۰۰۰۰

اس تمام آبادی مین عیسائیون کی مجموعی تعداد تقریباً ۶۵۰ ملین ہے لیکن مسلمانون کی تعداد مین اختلاف ہے، بعض لوگ ۲۲۰ ملین کہتے ہین اور بعض ماہرین ان کی تعداد ۳۵۰ ملین سے بھی زیادہ بتاتے ہین اور یہودیون کی تعداد تقریباً ۱۴ ملین ہے،

"ر"

ادبیات

نغمۂ شاد

از

یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد شاد صدر اعظم دولت آصفیہ

آرزو مدت سے یہ تھی دردِ دل پیدا کرین — دردِ دل سے اب تڑپتے ہین تماشا کیا کرین

منحصر ہے ایک آنسو پر ہماری مغفرت — وہ اگر چاہین تو اس قطرہ کو اک دریا کرین

دل پہ جب چرکے لگے تھے نہ آیا ان کو رحم — اب مسیحا بن کے آئے ہین کہ زخم اچھا کرین

خود فراموشی کی اپنی کرتے ہین ہر روز مشق — شغل کچھ تو چاہیئے بیکار بیٹھے کیا کرین

حسرت ایفائے وعدہ۔ وعدۂ صبر آزما — دونون مین موجود پھر اس پر تقاضا کیا کرین

دیدہ و دل اپنے دونون ہو چکے رسوائے خلق — اے جنون! اب کون باقی ہے جسے رسوا کرین

بھیس بدلین جتنے چاہین مجھ سے چھپ سکتے نہین — اور اس پر اُن کی خواہش ہے یہی پردا کرین

ہم نے روزِ ازل سے دل بتون کو دیدیا — اب اگر دل لیکے ترساتے ہین ترسایا کرین

دین و دنیا دونون اپنے جیب و دامان گیر ہین

اس دو روزہ زندگی مین شاد ہم کیا کیا کرین

غزالِ چہار چشم

از

جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا، تعلقدار گدیہ

ہمارے شیخ صاحب کو جب سیاسیات سے فرصت ملتی ہے، تو ہنگامۂ نظم برپا کرتے ہین چنانچہ نالۂ مشیر کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہو چکا ہے اس نظم کا عنوان خود جناب شاعر نے غزالِ چہار چشم تجویز کیا ہے۔ شیخ صاحب کو ان چار آنکھوں سے غبی تال کی جند سطح سے "آزادیِ عالم" کا جو سمان نظر آیا ہے اس نظم مین وہ اورون کو بھی دکھایا ہے، مگر ہم خاک نشینون کو تو دکھانے سے بھی یہ نظر نہین آتا، کاش شیخ صاحب کی پیشینگوئی حرف حرف پوری اترتی، شاعر نے جس بحرِ ناپیدا کنار مین شناوری کی ہے "اسکی سلامتی" کہ ہم ذمہ دار نہین۔

"معارف"

آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا — چھائی ہین گھٹائین ساون کی اور چلنے لگی ہے سرد ہوا

گل ہنستا ہے خوش ہو ہو کر۔ لائی ہے یہ پیغام صبا — آئی ہے بہار آزادی کی پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

خوشبو سے مہکتا گلشن ہے اور رنگ ہے ہر جنگل مین — طاؤس ہین فرطِ شوق سے رقصان، کیسا سندر لاتا ہے پھونرا

اب قیدِ قفس سے چھوٹی بلبل۔ پھرتی ہے وہ نغمہ کنان — آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

پیدا ہے ہر دل مین محبت، رکھتا ہے اب کون عداوت — بند ہوا پروانہ کا جلنا۔ شمع کا شعلہ سرد ہوا،

باقی نہ رہی کانٹون کی خلش۔ اب رشک و حسد کا ذکر نہین — آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شاہ و گدا مین فرق نہین ہے۔ غربت ہے نابید جہان سے | ہمت ہے ہر دل مین سمائی۔ چھوڑ دیا بزدل نے بھی ڈرنا
دور ہے اب امن و امان کا۔ جنگ و جدل کا اب نہین غوغا | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

(۲)

اب شرق و مغرب ایک ہوئے ہین۔ بن گئے ہین سب بھائی بھائی | دوست ہوئے ہین دشمن جو تھے۔ عشق کا بجتا اب ہے ڈنکا
ہر سمت ہے چرچا علم و ہنر کا۔ ہر اک کو ترقی کا ہے سودا | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

(۳)

ہر سو ہے صدا آزادی کی۔ زندان کے کھلے سب ہین شہیر | بے خوف کسی کا اب نہ خطر ہے۔ پاک ہوئی ہے ظلم سے دنیا
چہرے ہین بشاش سبھون کے۔ لب پر رہتا ہے یہ ترانہ | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

جامِ صہبائی

از

جناب اختر صہبائی بی اے

ہر چند ہے شغلِ مے دینا اچھا | چھپ چھپ کے ہے پینے سے نہ پینا اچھا
جینا کی روح سے ہے ہستی ہستی | مر مر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

شوقِ چمن دیگر دینا ہے مجھے | پیتا ہون کہ چند روز جینا ہے مجھے
کیون بادۂ ناب سے نہ سرمست ہون آج | کل زہرِ فنا کا جام پینا ہے مجھے

انجامِ تمنا پہ ملامت نہ کرین | بیکار مجھے وقفِ ندامت نہ کرین
جو کچھ بھی ہوا آخر بہت خوب ہوا | تقدیر کی احباب شکایت نہ کرین

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری | لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے آخر | جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری،

باب التقریظ والانتقاد

شاہ عزیز صاحب صفی پوری

کی

فارسی تصنیفات

موجودہ دور مین جبکہ فارسی زبان ہندوستان مین تقریباً مردہ ہوگئی ہے، یہ دیکھکر تعجب اور تعجب کے ساتھ مسرت پیدا ہوتی ہے کہ ملک مین بعض افراد ایسے بھی ہین، جنھون نے فارسی زبان مین نظم و نثر کا کافی ذخیرہ فراہم کردیا ہے، جناب مولانا محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان ولایت صفی پوری انھین افراد مین ہین، وہ ایک صاف باطن صوفی ہونے کے ساتھ فارسی زبان کے ناظم و ناثر بھی ہین، مرزا غالب کا زمانہ پایا ہے، اون سے مشورۂ سخن بھی لیا ہے، اور ہمارے پچھلے دور کے مشاہیر، مولانا حالی، مولانا شبلی، اکبر الہ آبادی وغیرہ سے انکی معاصرانہ مراسلت تھی، اور انھون نے انکی نظم و نثر کی بیحد داد دی ہے، اسوقت انکی حسب ذیل فارسی نظم و نثر ہمارے پیش نظر ہے

دیوانِ ولایت | اس مین غزل، قصیدہ، واسوخت، رباعی وغیرہ اکثر اصنافِ شاعری موجود ہین، ضخامت ۲۸۶ صفحہ کی ہے،

دیوانِ عزیز | اس مین قصائد، غزلیات، رباعیات اور ایک آدھ نعتیہ

مثنوی شامل ہین، بعض قصائد مین صنعت مہلہ کا التزام کیا گیا ہے،
ضخامت ۱۵۲ صفحہ کی ہے،

مجموعۂ ختم فکر — اس مین کچھ صوفیانہ غزلین، زیادہ نعتیہ قصائد و قطعات اور اخیر مین کچھ اردو غزلین ہین، ضخامت ۵۶ صفحہ،

نور تجلی — اس مین اہل تصوف کے مذاق کے مطابق نعتیہ غزلین ہین، ضخامت ۴۰ صفحہ،

حسرت دل — مثنوی ہے، اور اس مین رسول اللہ صلعم سے اپنی خواہشون کا اظہار کیا گیا ہے ضخامت ۴۷ صفحہ،

نعت محبوب — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے نعتیہ غزلون کا مجموعہ ہے، اخیر مین چند چھوٹی چھوٹی مثنویان، قطعات و رباعیات بھی ہین، ضخامت ۲۰ صفحہ،

ذکر جمیل — ایک عاشقانہ مثنوی ہے، نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نعتیہ مثنوی ہو گی، لیکن ایسا نہین ہے، بلکہ جمیل اس مثنوی کا ہیرو ہے، ضخامت ۵۹ صفحہ،

مقصد الابرار — اس مین مثنوی مولانا روم کے طرز پر بہت سی حدیثون کی تشریح کیگئی ہے، ضخامت ۹۰ صفحہ،

فتح مبین — یہ گویا اسلامی شاہنامہ ہے جسمین رسول اللہ صلعم کے غزوات کا بیان ہے، ضخامت ۹۲ صفحہ،

محامد حامد — یہ ۴۰ صفحہ کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جو قاآنی کے قصیدہ پر صنعت

سوال و جواب مین لکھا گیا ہے،

نظم کے بہ نسبت نثر کا حصہ بہت کم ہے، اور اس مین حسب ذیل چھوٹے چھوٹے رسائل ہین،

نور ہان — یہ ۲۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو نظم و نثر دونون پر مشتمل ہے، اور حضور نظام کی خدمت مین بطور درخواست کے گذرانا گیا ہے.

ارمغان — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے سر وقار الامرا بہادر کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

پیشکش شاہجہانی — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

جہان تک عاشقانہ کلام کا تعلق ہے، ان کی غزلین بری نہین ہین، اگرچہ ان مین ہندوستانیت پائی جاتی ہے، اور کسی خالص ایرانی شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتا، مثلاً

آخر این رنگ بے فتنہ با خواہد کرد — سینہ پرخون ہمہ از سرخی پانے کہ مراست

دل بدستم نیست تا خال در پائے شماست — فتنۂ محشر گر با بوس بالائے شماست

کرا مجال کزان سمت ہوشیار آید — صبا ز کوئے تو چون مست بادہ خوار آید

تاہم بہت سے اچھے شعر ان کے دیوان مین موجود ہین مثلاً

حسنت امروز زلیلا و ز شیرین بیش است — گر غم قیس کنم گر غم فرہاد کنم

حکایتے ز طواف در تو عرضہ دہم — ز راہ کعبہ بسے کاروان بگردانیم

روم بوادی مجنون ولے چگونہ روم — بقدر حوصلہ پہنائے آن بیابان نیست

ولایت آنکہ رساند تا خدا مرا — اگر بغور بہ بینی ہمان خدائے من است

بعض بعض اشعار مین لفظی مناسبتین بھی پائی جاتی ہین، جو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیگئی ہین مثلاً

سرازبامم چو می پری کہ ہچون قطرۂ اشکے   برا ہش قطرہ زن ہستم نہ پا دارم نہ سردارم

انگشتم زلب بام بیفتاد ازد   باز درجلوہ چو خورشید لب بامے ہست

قصائد مین بہت کچھ زور طبع دکھایا ہے، بعض قصیدے صنعت مہملہ مین لکھے ہین، ایک قصیدے مین خاقانی، انوری، اور خسرو نے چاند کا ذکر تشبیب مین کیا ہے اور چاند کے متعلق نہایت نادر تشبیہین پیدا کی ہین، عزیز نے بھی ایک قصیدے مین ان کا تتبع کیا ہے، اور چاند کی تشبیہات مین بہت کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے، مثلاً

اے ماہ کہ از گوشہ بہر ماہ برآئی   جرم تو چرا کاست کہ انگشت نمائی

محراب مناجات شدی چون خم ابرو   مانند حرم قبلۂ ارباب دعائی

یا ازپے دریوزۂ حسنے ز حسینے   گردیدہ سراپائے تو کجکول گدائی

یا حلقہ بگوشے شدۂ کج کلہے را   زانزو کہ دہد ناز دران حلقہ رسائی

یا پیکرت از خم شدہ شمشیر کہ شوخے   زیب کمر خود کند از کافر تعائی

نعتیہ غزلون مین زیادہ تر صوفیانہ رنگ ہے، مثلاً،

من خراباتیم دخواری، میخواری عشق   این صفاتم ز ازل مادۂ ذات آمد

من نیم آنکہ نمانم کہ نشان ایم   نفی چون نفی شد اثبات باثبات آمد

مظہر لیس کمثلہ بود آدم ارے   ہیئتش را ہمہ اشکال چو مرآت آمد

مثنویات مین سب سے زیادہ مفصل مثنوی فتح مبین ہے، جس مین رسول اللہ صلعم کے غزوات وسرایا کا بیان ہے جو تمامتر مدارج النبوۃ سے ماخوذ ہے،

ہمہ اقتباس از مدارج کنم   جزاین ہرچہ بودست خارج کنم

اور اس مین شاعری سے زیادہ آداب نبوت کا لحاظ رکھا گیا ہے،

نگفتم بہار ینہ رسم عجم   کہ ساقی بیارد مئے جام جم

شدم محو فکر سخن گستری   بہ تکریم تاریخ پیغمبری

سرودم بہ انجام ہر داستان   درودے بہ پیرایہ داستان

اس طرح سادہ طور پر رسول اللہ صلعم کے ۲۴ غزوات کو نظم کر دیا ہے۔

نوشتم ہمہ غزوہا بست وچار   سہ بعث از چہل زائد اندر شمار

حدیبیہ بیرون ز اشعار ہاست   طراز یدہ در ضمن گفتار ہاست

مقصد الابرار مین متعدد حدیثون کا ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ مشرح صاف، سادہ اور صحیح ہے، مثلاً ایک حدیث ہے،

تجدون شر الناس یوم القیامۃ   قیامت کے دن تم لوگ سب سے زیادہ برا دو رخے

ذاالوجہین الذی یاتی ھؤلاء   شخص کو پاؤگے جو کچھ لوگون کے پاس ایک رخ

بوجہ وھؤلاء بوجہ   کے ساتھ اور کچھ لوگون کے پاس ایک رخ کیساتھ آتا ہو

اور اس کا ترجمہ ان اشعار مین کیا ہے:

گفت، کہ باید نگون سار تر   روز جزا از ہمہ کس خوار تر

آنکہ دو روئی بکند اختیار   عزم بہ یک سو نکند استوار

شیوہ کند با دو گروہ آشتی   پیش نماید بہ شکوہ آشتی

از پئے خوش داشتن ہر فریق   حق بگذارد بہ خلاف طریق

لا بہ گر بہا بہ عمل آورد   آتش بالد بہ ریا دل برد

ترجمہ کے لیے جو حدیثین انتخاب کی ہین وہ بھی زیادہ تر صحیح ہین،

"ع"

عروسِ ادب

یہ جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی سابق اڈیٹر ذخیرہ حیدر آباد دکن وحال متوسل ریاست رامپور کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو اُنھون نے وقتاً فوقتاً خود اپنے رسالہ "ذخیرہ" اور دوسرے رسائل اور اخبارات مین لکھے، شروع مین مولوی عبد الحق صاحب ناظم ترقی اُردو کا صفحہ تعارف ہے، اور اسکے بعد ہمارے فاضل دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی کا تقریب نامہ ہے، اور ان کے بعد ہوش صاحب کا خود اپنا دیباچہ ہے، جسمین اُنھون نے طرزِ تحریر، اور اپنی تحریر کی خود مختصر تاریخ لکھی ہے، اس تعارف، تقریب، اور دیباچہ کے بعد اصل مضامین شروع ہوتے ہین،

یہ مضامین جن کا مجموعہ سو دو سو صفحون کو محیط ہے، چار مختلف عنوانون مین منقسم ہین، اخلاقیات ۱-۴۱، ادبیات ۴۲-۱۲۸، تاریخ ۱۲۹-۱۹۳، سیاسیات ۱۹۴-۲۲۴، ہر عنوان کے تحت مین متعدد مضامین ہین،

ہوش صاحب کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اُنھون نے پچھلے دور کے دو نامی گرامی بلگرامی بھائیون (مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، ومولوی سید حسین عماد الملک بلگرامی مرحوم) کے زیرِ سایہ ادبی تربیت پائی، اور اسی کا اثر ہے کہ اُنھون نے ادبیات کی دلچسپی اپنے مربیون سے ورثہ پائی، ہوش صاحب کا طرزِ تحریر، صاف، سادہ، نکھرا ہوا پیچ وخم سے پاک فارسی ترکیبون، اور عربی کے بڑے بڑے الفاظ سے مبرا ہے، یہ سادہ نگاری بلگرامی بھائیون کی خاص روش تھی،

خیالات کے لحاظ سے اکثر مضامین تخیلی ہین، اور ان مین سرسید مرحوم کے تخیلی، ادبی واخلاقی مضامین کی جھلک پائی جاتی ہے، ادبیات کے تحت مین جو مضامین ہین وہ زیادہ تر کتابون، رسالون اور مطبوعات پر نقد اور تبصرے ہین، صرف دو مضمون، فارسی مین یائے مجہول نحوی، اور اُردو سے متعلق تاریخی مضمون ہے، اس دوسرے مضمون کے لیے شاید ادبیات سے موزون تر جگہ تاریخ مین ہو سکتی تھی، تاریخی مضامین مین

ایک سفرنامۂ اجمیر اور اس مناسبت سے خواجۂ اجمیر کی بارگاہ کی لفظی تصویر ہے، اور بقیہ اشخاص اور مقامات کے تذکرے ہین، سیاسیات مین رامپور، حیدر آباد اور کشمیر کی پالٹیکس اور ریاستون کے ہندو مسلم سوال پر مختصر مضامین ہین،

کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، شروع مین مصنف کی عکسی تصویر اور فہرستِ مضامین ہے، کپڑے کی جلد، قیمت پہلے ے رکھی اب دو روپیہ علاوہ محصول کردی گئی ہے، پتہ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کوچۂ ناظر لطیف، رامپور،

محشرِ خیال

سابق علی گڈھ کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کے اُن نونہالون مین "جو بن کھلے مرجھا گئے"، شیخ ولایت علی "بمبوق" مرحوم اور راجہ غلام حسین مرحوم کے بعد جس کا نام لیا جا سکتا ہے، وہ مرحوم سجاد انصاری (بی اے ال ال بی) کا ہے، مرحوم کو نظم ونثر دونون پر یکسان قدرت حاصل تھی، مگر افسوس کہ جوانامرگی نے ان کے ثمراتِ فکر اور نتائجِ قلم سے زیادہ متمتع ہونے نہ دیا، یہ "محشرِ خیال" مرحوم کی نثر ونظم کا مجموعہ ہے، جسکو ان کے چند با وفا دوستون نے یادگار کے طور پر مرتب اور شائع کیا ہے،

مرحوم نہ صرف لفظی شاعر، بلکہ خیالات اور طرزِ تحریر مین بھی شاعر تھے، وہ فلسفہ کی پیچیدگیون سے سخت نالان، بلکہ دنیا کی لطافت اور رنگینی کے لیے اسکو خطرناک اور مہلک تصور کرتے تھے، لیکن، اسی کے ان کے تمام نثریہ مضامین ادبی تنقید، اور تخیلی نکتہ آفرینی، ہوتے تھے، تاہم اُن کا طرزِ تحریر اپنے پیچ وخم کے سبب سے ادب پر ہمیشہ فلسفہ کا دھوکا دیتا تھا، ان کی تمام نثر تحریرون مین شوخی اور زندہ دلی ہوتی تھی، مگر یہ شوخی وزندہ دلی لبون کی مسکراہٹ کے ساتھ کم، اور پُر شکن پیشانی کے ساتھ زیادہ تر تھی،

مرحوم فلسفہ کی توہین وتحقیر کے لیے عربی کے بڑے بڑے فلسفیانہ الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعہ سے

اسے طلب کرتے تھے اور اسی طرز میں ادبی سیاسی اخلاقی اور اصلاحی مضامین لکھا کرتے تھے، یہ طرزِ انشا ان کا خاص تھا اور انھیں کے ساتھ گیا، اور اردو ادب کی یہ صنف ناتمام رہ گئی،

یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں اُن کے مستقل مضامین ہیں جو تعداد میں نو اور دست میں چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحات ہیں، ان کے عنوانات یہ ہیں محبت کی ماہیت نفسی عفت نسوانی حقیقتِ عریان، پیامِ زلیخا، مذہب و اخلاق اجتہاد و تحقیق، روحِ ادب، علی گڈھ میگزین مسلمانانِ ہند اور تحریکِ اصلاح، دوسرے حصہ میں جسکا نام رعنائیِ خیال ہے چھوٹی چھوٹی تحریروں میں مختلف منتشر خیالات لطافت اور خوبی کے ساتھ ظاہر کیے ہیں، یہ ۹۷ سے ۱۲۸ صفحوں تک ہے،

تیسرا حصہ نظم کا ہے جس کا نام "احساسات" (شاید صحیح "احساسات" ہو) ہے، اس میں مرحوم کی چند قومی نظمیں اور غزلیں اور متفرق اشعار ہیں جو ۱۳۲ سے شروع ہوکر ۱۵۶ تک تمام ہوتے ہیں اور اسی پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے، اُن میں یادِ مبوق، یادِ شبلی مرثیہ ہیں یادِ حسرت اور یادِ شوکت میں مہدی سیاسی مرحوم ہے، عرضِ نیاز ببارگاہ غازی مصطفےٰ کمال، پیامِ شوق ببارگاہِ مصطفےٰ کمال دو بردنی سیاسی اور باقی غزلیں اور متفرق اشعار ہیں،

مہدی مرحوم کی شگفتہ ادبیات کے بعد سجاد مرحوم کے ان مضامین لطیفہ کے مجموعہ سے زیادہ دلآویز نمونۂ ادب اردو میں موجود نہیں اسلیے اردو ادب کے شائقین کے لیے یہ نادر تحفہ ہے اور اُن کی ہر قسم کی قدردانی کا مستحق ہے،

نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ چکنے آرٹ پیپر پر یہ چھپا ہے، خوشنما سادی جلد ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ایک لطیف مقدمہ سے خالی ہے، معارف کا صفحہ صرف "طبعیات" کے مشکلات کے ذکر میں ہے، طبعیات ہے مقصود طبع اور چھپائی ہے، یہان تک کہ اسمین مجموعہ کے حصص اور ترتیب کی نوعیت تک کا ذکر نہیں، اور مضامین کی فہرست ہے، تین حصون میں سے دوسرے کا نام تو رعنائی خیال اور تیسرے کا احساسات (؟) رکھا گیا ہے، مگر پہلا عنوان سے معرا ہے، یہ تناقض حیرت انگیز ہے، قیمت ۵ روپیہ: پتہ: شرکت ادبیہ قرول باغ، دہلی،

مطبوعاتِ جدیدہ

کلامِ کیفی، مولانا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدرآباد کے کہنہ مشق شاعر تھے، ان کی وفات کے بعد اُن کے کلام کا مجموعہ جناب محمد سردار علی صاحب نے مرتب کرکے "کلامِ کیفی" کے نام سے شائع کیا ہے، جو غزلیات اور عام اصنافِ نظم پر مشتمل ہے، جناب کیفی کا کلام لکھنؤ کے رنگ میں رنگین اور دلکش ہے، لیکن کہیں کہیں کچھ عجب اچھوتے قوافی ملتے ہیں، مثلاً

ہم سا ناشکر بھی ہوگا نہ زمانہ میں کوئی — کہ سنائے ہمیں گر کوئی "براس"

نہی منکر ہے غرض اپنی نہ امرِ معروف — بلکہ جاری ہے نگاہوں سے گناہوں کی تباس"

حجم: ۲۰۰ صفحے، کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۸ جناب مرتب کتبخانہ مسجد چوک حیدرآباد کے پتہ پر ملیگا"

سرگذشتِ ہاجرہ، جناب بیگم صاحبہ سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا طبقۂ نسوان کی تعلیم و تربیت کی نشو و ارتقا میں حصہ لینے والیوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں، اسی سلسلہ میں ان کی ایک جدید تالیف "سرگذشتِ ہاجرہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے، جسمیں عورتوں کو ناول کے طرز میں مختلف معاشرتی تمدنی، سیاسی اور علمی اصلاحات کی تلقین کی گئی ہے، کتاب عورتوں کے لیے مفید اور اُن کے معلومات میں اضافہ کرنے والی ہے، حجم ۲۲ صفحے، پتہ: صغرا منزل ہمایون نگر، حیدرآباد دکن،

جذباتِ سامی، پچھلے دنوں اخبارات میں مشہور ہوا تھا کہ جبلپور اور اس کے اطراف میں آسمان پر آنحضرت صلعم کا اسمِ مبارک "محمد" نہایت تابان و درخشان حروف میں نظر آیا تھا، اس حیرت انگیز واقعہ پر جہان مسلمان اہلِ قلم اور اہلِ زبان اصحاب نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہیں یہ دیکھکر اور خصوصاً اس موجودہ فضا میں یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ایک ہندو شاعر جناب ماسٹر مہادیو پرشاد صاحب سامی نے

بھی اس پر ایک پُراثر نظم لکھی ہے، اور نہایت جوش عقیدت مین لکھی ہے، یہی نظم "جذباتِ سامی" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحون پر شائع کی گئی ہے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، پتہ:- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

اسلام اور غلامی، جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے "اسلام اور غلامی" کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسمین یہ دکھایا ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے غلامی کے عالمگیر رواج کو مٹانے کی کوشش کی اور ایسے احکام جاری کیے کہ رفتہ رفتہ اس کا رواج دنیا سے اُٹھ جائے، مگر اس نے ان کی عزت اور مرتبت کو روزِ اول ہی سے تمام انسانون کے مساوی قرار دیا، اسی ضمن مین ان صحابہ کے نام اور واقعات لکھے ہین جو غلامی مین بھی رہنے کے باوجود نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اور اسی ذیل مین ان تابعین، تبع تابعین، علماء اور ائمہ کے نام بتائے ہین، جو نسلاً غلام ہونے کے باوجود اپنی عزت و مرتبت کے لحاظ سے تمام مسلمانون کے آقا و سرتاج تھے، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، اور لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ر، پتہ: مینیجر صاحب مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو، پھلواری شریف پٹنہ،

مسیحیت اور سائنس، یورپ مذہب مسیحی کا علمبردار بنکر سولھوین صدی سے انیسوین صدی تک علوم جدیدہ سے جس طرح نبرد آزما رہا، اس کی تصویر ڈریپر کے معرکہ مذہب و سائنس سے نمایان ہے، جناب مولوی برکت اللہ صاحب ایم اے، مبلغ مسیحیت نے زیر تبصرہ رسالہ مین مسیحیت اور سائنس مین اتحاد و آشتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے یورپ کے اس عہد کے تعصب، تقشف اور مذہبی جہل کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، جسمین وہ علوم جدیدہ سے معرکہ آرا رہا، پھر ثابت کیا ہے کہ مسیحیت اور سائنس کی سرحدین جداگانہ ہین، اور ان دونون مین کسی قسم کی کوئی مغائرت اور منافست موجود نہین، حجم ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، پتہ: کرسچین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور،

"ر"

مجلد بستم | ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء | عدد سوم

مضامین

——(×○×)——